جلد 22 شمارہ 9 ماہ نومبر 2020ء ربیع الاول 1442ھ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ
صداقت
محبت
اللہ

ماہنامہ
فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیت

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاحِ آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

﴿ اس شمارے میں ﴾

دل کی بات

ذکر کے اثرات محسوس نہیں ہوتے!

پاکستانی معاشرے میں ایسے افراد کی اکثریت ہے جو کسی نہ کسی روحانی سلسلے سے منسلک ہیں یا پیر صاحب سے بیعت ہیں۔ان افراد کی بڑی اکثریت صرف واجبی حد تک بیعت ہوتی ہے اور اپنے سلسلے کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتی۔باقی ماندہ لوگ جو کچھ ٹوٹا پھوٹا ذکر اذکار کرتے ہیں ان کے سامنے ان کا مقصد واضح نہیں ہوتا۔نیز آج کل کے صوفیا میں خلوص والے پیر چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔اب رہ گئے وہ ایک آدھ فیصد سالک جو راست تعلیم پر خلوص کے ساتھ گامزن ہیں۔انھیں بھی کئی قسم کے مسائل پیش آتے رہتے ہیں جن میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ سال ہا سال ذکر کرنے کے باوجود ذکر کے جو اثرات مطلوب ہیں، حاصل نہیں ہوتے۔ایسا کیوں ہے؟ اور اس کا حل کیا ہے؟ اس کا جواب ہمیں بانی سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات میں سے با آسانی ملتا ہے۔سلسلے سے منسلک کچھ بھائی ایسے ہیں جو اپنا روزانہ کا ذکر نہیں کرتے۔انہیں چاہیے کہ وہ اپنا اور مرشد کا وقت ضائع نہ کریں یا تو حلقہ چھوڑ دیں یا ایک عقل مند انسان کی طرح اپنی بیعت/وعدے کا پاس کرتے ہوئے ذکر شروع کر دیں۔

ہمیں اس بات کا خوبی علم ہونا چاہیے کہ انصاری صاحبؒ کی بتائی ہوئی تعلیم ایک package ہے کہ اگر راہ سلوک میں کامیابی چاہیے تو ہر بات پر عمل ضروری ہے نہ کہ ایک آدھ کر لی اور ایک آدھ چھوڑ دی۔

انہی باتوں میں سے ایک بات تزکیہ اخلاق ہے جس کے لیے سالک کو خود سے ارادۃً اور عقلی طور پر (Rationaly) ٹھیک ٹھاک کوشش کرنی پڑتی ہے(اخلاق کے سیکڑوں شعبے اور مظاہر ہیں جنھیں بانی سلسلہؒ نے دو باتوں میں سمو کر کوزے میں دریا بند کر دیا ہے یعنی محبت وصداقت اپناؤ اور

نفرت وغصہ چھوڑ دو)اس پر عمل کیے بغیر ذکر کا کوئی اثر نہیں ہو گا بلکہ بانی سلسلہؒ کے مطابق ''ایسا بندہ ولی الشیطان تو بن سکتا ہے ولی الرحمن نہیں بن سکتا''

کئی بھائی ذکر اور تزکیہ اخلاق میں محنت کرنے کے باوجود بھی مطمئن نہیں ہو پاتے تو ان کے لیے کرنے کا کام ''تسلیم و رضا'' ہے۔بعض اوقات ذاکر کی شخصیت میں اس مجاہدہ میں کمی رہ جاتی ہے اور ذکر کے کما حقہ اثرات سے محروم رہ جاتا ہے۔اس کے لیے بھی کوشش کرنی پڑتی ہے بانی سلسلہؒ نے تسلیم و رضا کو خالی صبر یا برداشت کا نام نہیں دیا بلکہ خلاف مرضی جو بھی واقعہ پیش آئے اسے اللہ کی جانب سے سمجھتے ہوئے خوشی سے برداشت کرنا سکھایا ہے۔اس جذبے کی کمی بھی سالک اور مالک کے درمیان ایک بڑی رکاوٹ کا سبب بن جاتی ہے۔مندرجہ بالا تمام کام مکمل کر چکنے کے بعد سب سے اہم بات کو بانی سلسلہؒ نے خدمت خلق سے تعبیر کیا ہے اور ہمارے کئی بھائی اس ضمن میں بہت پیچھے ہیں اور یہ بڑی محرومی ہے۔ایسے لوگوں کے بارے میں آپؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہاری ولایت کا دنیا کو فائدہ نہیں پہنچا تو تم کسی حالت میں بھی نائب رسول کہلانے کے مستحق نہیں ہو اور یہ ولایت صرف تمہارے ذاتی فائدے کے لیے ہے۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ کہ اللہ ہمیں سلسلے کے تعلیمات پر ویسے چلنے کی توفیق دے جیسے ہمارے مرشد چاہتے تھے۔آمین۔

مدیر فلاح آدمیت

تصوّف

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

تصوف اسلام ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر مذہب میں موجود ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تقریباً تمام مذاہب کسی نہ کسی ایسی مافوق الفطرت ہستی کو مانتے ہیں جو نہ تو حواس ظاہری سے معلوم ہوسکتی ہے نہ عقل ہی سے سمجھ آسکتی ہے۔اس کے ساتھ ہی انسان طبعاً متجسس واقع ہوا ہے۔ وہ بجاطور پر جاننا چاہتا ہے کہ میں جس کی پرستش کرتا ہوں، جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو مجھے رزق دیتا ہے، جس کے ہاتھ میں میرا بھلا اور برا ہے اور جو مجھے موت دے گا اور موت کے بعد بھی میرے ساتھ رہے گا اور اس دنیا میں میں نے جو برے بھلے عمل کیے ہیں ان کی جزا اور سزا دے گا آخر وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اس سے ملنے کا راستہ کون سا ہے؟ اس کی خوشنودی اور اس کا قرب، معرفت اور دیدار کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ تو اب آپ غور کریں کہ کیا اس شخص کی یہ خواہش ناجائز اور اس خواہش کی تکمیل ناممکن ہے؟ ہرگز نہیں!!

خدا نے انسان کی فطرت میں بہت سی خواہشیں رکھی ہیں اور ساتھ ہی ہر خواہش کی تکمیل کا سامان بھی مہیا کیا ہے مثلاً بھوک پیدا کی ہے تو کھانے کی ہزاروں چیزیں بنائی ہیں۔ پیاس پیدا کی ہے تو سینکڑوں مشروبات بنائے ہیں۔جنسی خواہشات کی تسکین کے لیے کروڑوں مرد اور عورتیں پیدا کیں۔سیر وسیاحت کی خواہش ہو تو خدا کی زمین فراخ ہے، ساری عمر سیاحت کرتے رہو علم حاصل کرنے کی خواہش ہو تو سینکڑوں علم پیدا کیے ہیں جس علم کو چاہو اس کے حصول میں عمر گزار دو، دولت کی خواہش ہو تو وہ طور طریقے سیکھو جن میں دولت کے حصول کی صلاحیت ہے ان پر عمل کرو اور دولت مند بن جاؤ۔

جب یہ ایک کلیہ اور مسلمہ ہے کہ خدا نے ہر خواہش کی تکمیل کا پورا بندوبست کیا ہوا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اندریں صورت کیا خدا کی معرفت اور قرب و دیدار کی خواہش ہی ایک ایسی

خواہش ہے جس کی تکمیل کا خدا نے کوئی بندوبست نہیں کیا؟ ناممکن ہے کہ نہ کیا ہو۔ایسا تو خیال کرنا بھی خدا کے عدل وانصاف اور اس کی شان ربوبیت کا انکار کرنا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہے (اور یقیناً صحیح ہے) تو پھر خدا نے اپنے ملنے کے کون سے طریقے اور قاعدے بتائے ہیں کہ طالب دیدار خدا ان طریقوں اور قاعدوں پر عمل کر کے فائز المرام ہو سکے۔تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مذہب جو کسی ان دیکھی طاقت کی پرستش کرتا ہے اس میں اپنے معبود کی معرفت حاصل کرنے یا اس سے ملنے کے الگ الگ طریقے ہیں مثلاً چینی پیغمبر کنفیوشس نے جو طریقے بتائے ہیں وہ ان طریقوں سے مختلف نہیں جو ہندوؤں کے رشیوں منیوں نے بتائے ہیں یا عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کو ان کے پیغمبروں نے سکھائے ہیں یہی طریقے اور قاعدے بہ حیثیت مجموعی ان مذاہب کا تصوف کہلاتے ہیں۔مسلمانوں کو بھی خدا نے اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہیں رکھا۔قرآن میں اپنے ملنے کے طریقے بیان کر دیے ہیں۔یہ طریقے تعداد میں اس قدر کم مگر اتنے سریع التاثیر ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔جو لوگ سالہا سال دلائل الخیرات، دعائے گنج العرش، دعائے ماثورہ، دعائے جمیلہ، حزم البحر، قصیدہ بردہ اور قصیدہ غوثیہ وغیرہ کا ورد، طرح طرح کے مراقبے، چلے اور سخت سے سخت ریاضتیں کرنے کے بعد بھی حصول مقصد میں نامراد رہتے ہیں، ان قرآنی طریقوں پر صرف دو تین سال عمل کرنے کے بعد وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو کبھی ان کے خواب و خیال میں بھی نہ گزرا تھا اور ان کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ہم سیدھے راستے پر چل رہے ہیں اور ضرور اپنی مراد کو پہنچیں گے۔مگر اللہ تعالیٰ نے ان طریقوں کو ''تصوف'' نہیں کہا بلکہ ''حکمت'' فرمایا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

''یعنی ہم نے تم ہی لوگوں میں سے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے، تمہارے اخلاق کا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب (قرآن) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ قرآن میں معیشت، معاشرت، سیاست، اخلاق اور قانون کی جو تعلیم

دی گئی وہ تو احادیث، فقہ اور اسلامی قانون کی شکل میں اب بھی موجود ہے گو اس پر اکثر اسلامی ملکوں میں عمل نہ ہوتا ہو۔ مگر وہ حکمت کہاں ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ کیا علمائے کرام کے پاس ہے یا صوفیائے عظام کے۔ افسوس ہے کہ وہ گم ہو چکی۔ مسلمانوں میں سے کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

حکمت کا لفظ عام طور پر فلسفہ کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے سقراط اور بقراط اور افلاطون وغیرہ کو حکیم کہتے ہیں۔ لیکن قرآن میں حکمت سے مراد فلسفہ نہیں بلکہ علم الحقائق اشیاء ہے کیوں کہ یہ بات مشاہدے سے ثابت ہو چکی ہے کہ فلاسفروں کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو فلسفہ پڑھنے کے بعد خدا سے منکر ہو جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو ایک واجب الوجود (خدا) کو مان لیتے ہیں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں ایسی تعلیم دے ہی نہیں سکتا جس کو حاصل کر کے کچھ لوگ خدا کے منکر بھی ہو جائیں۔ اس لیے قرآن میں جو "حکمت" کا لفظ آیا ہے یقیناً فلسفہ کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے وہ علم مراد ہے جس سے انسان پر اشیاء کی وہ حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں جو نہ تو حواس ظاہری سے معلوم ہو سکتی ہیں نہ عقل ہی سے سمجھ میں آتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ علم دنیا کے تمام علوم میں سب سے افضل ہے۔ اسی وجہ سے یہ اتنا عام اور آسان بھی نہیں ہے کہ جو چاہے حاصل کر لے بلکہ اس کو صرف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن میں اللہ نے اس کے حصول کی صلاحیت رکھی ہو اور یہ معمولی آدمی نہیں ہوتے بلکہ خاص لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ أُولُوا الْاَلْبَابِ (البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ حکمت عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کی گئی لیکن حکمت کی باتیں ان کے سوائے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا جو دانشمند ہیں۔"

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَائِقَ كُلِّ الْاَ شْيَاءِ كَمَا هِيَ

ترجمہ: "اے اللہ! ہم کو تمام اشیاء کی حقیقت سے آگاہ فرما۔"

نقوش مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ فرمانے لگے کہ اعمال میں تین گریڈ ہوتے ہیں۔علم ہے کہ پڑھو، دوسرا عمل ہے، پھر آگے ہے خلوص۔اخلاص!! وہ یہ کہ محض اللہ کی رضا کے لئے ہے۔اگر اخلاص کا یہ پارٹ نہیں ہوگا، تو صحیح پارٹ ادا نہیں کریں گے، نہ عمل رہے گا۔عمل کے ساتھ اخلاص جو ہے وہ تیسرا پارٹ ہے۔کہتے ہیں کہ یہ تیسرا پارٹ جو ہے، یہی تصوف ہے۔اخلاص کا پیدا کرنا۔ وہ عقائد میں پہلے شریعت آگئی۔شریعت کے اعمال ہو گئے۔یہ نماز، روزہ، یہ ادا کرنا ہی ہے، وہ آپ نے کیا تو عمل ادا ہو گیا۔مولانا مودودی صاحبؒ نے بھی وہ جو دینیات رسالہ ہے۔ ان کا Towards understanding Islam اس میں ایک جملہ لکھا ہے، وہ میں نے کسی رسالے میں نقل بھی کیا۔انہوں نے لکھا ہے کہ وہ تیسرا جو پارٹ ہے اسے اخلاص کہتے ہیں تصوف جو ہے یہ علیحدہ پارٹ نہیں ہے۔یہ دین کا ہی پارٹ ہے لیکن اس سے محکمہ جو ڈیل کرتا ہے اس کا نام تصوف ہے۔

نماز کا ٹائم ہو گیا ظہر کا ٹھیک ٹائم پر آپ نے صحیح وضو کیا، کپڑے پاک تھے، جائے نماز پہ آئے، آپ نے نماز پڑھا دی۔فاتحہ پڑھی اور باقی یہ سب کچھ تو شریعت کے لحاظ سے آپ کی نماز ہوگئی۔وہ بات کہ نماز کے اندر دھیان بھی اللہ کی طرف تھا کہ نہیں تھا، شریعت کو اس سے کوئی غرض نہیں۔شریعت کے لحاظ سے آپ کی نماز ہو گئی، آپ کے خیالات جدھر مرضی رہے۔ آپ نے شرائط کے ساتھ نماز ادا کی ہے تو آپ کی نماز ہو گئی۔اس کی گریڈنگ آٹھ (۸) کی ہے یا بیس (۲۰) کی تو یہ الگ بات ہے۔شریعت کی رو سے کمال کی بات یہ ہے کہ اللہ اکبر کہنے سے سلام پھیرنے تک کوئی خیال نہ آئے۔یہ اخلاص ہے۔یہ ڈیپارٹمنٹ جو اس کا خیال رکھتا ہے

اس کا نام مولانا مودودی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یہ تصوف ہے۔تصوف نہ تو اسلام کے خلاف ہے اور نہ ہی اس سے باہر ہے۔مجدد الف ثانیؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔ان کی مولانا مودودی صاحبؒ بھی تائید کر رہے ہیں اور یہی صحیح ہے،جس کو آپ مانتے نہیں ہیں۔

باباجیؒ نے لکھا ہے کہ یہ شریعت ہے اور یہ طریقت ہے۔یہ علیحدہ کیسے ہوگیا۔شریعت کا ایک Role ہے جو ہر مسلمان پر لاگو ہے،ہر ایک نے اس پر عمل کرنا ہے۔خواہ امیر ہو،غریب ہو، بادشاہ ہو،چپڑاسی ہو،ہر ایک نے اس پر عمل کرنا ہے۔تیسرا جو ہے یہ خلوص ہے۔اس کا طریقہ جو بتایا کہ کیسے اس کا عمل ہوگا،اس کا نام طریقت ہے۔عمل جو بتایا کہ کیسے کرنا ہے،اس کا نام طریقت ہے ۔یہ اسلام سے باہر کیسے ہوگیا؟ تینوں پارٹ ہیں ۔تینوں ہی اس کے ہیں۔ جو حدیث جبرائیل ہے کہ اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ ایک وہ ہے جو عقائد ہیں کہ اسلام کیا ہے۔اسلام وہ ہے۔کرو۔دین کے ارکان ہیں۔یہ نماز،روزہ وغیرہ یہ ادا کرو۔ احسان کیا ہے؟ ان کو ایسے کرو کہ گویا تم ربّ کو دیکھ رہے ہو۔یہ خلوص ہے۔

حضورﷺ کی ایک حدیث بھی ہے کہ اگر تم دو رکعت نماز ایسی پڑھو کہ شروع کرنے سے سلام پھیرنے تک درمیان میں تمہارا نفس کوئی بات نہ کرے۔اپنی بات نہ کرے،سوائے نماز کے کوئی خیال بیچ میں داخل نہ ہو اللہ اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ دو رکعتوں کی بات ہے۔یہ ہے نماز کی اصلیت۔وہ کرو۔فرمایا کہ اس کا نام احسان ہے۔

بندگی کرو! نماز نہیں کہا کہ نماز پڑھو۔ہم خود اس کو محدود کرلیں گے۔بندگی ایسی کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو۔نماز نہیں پڑھو،پوری زندگی ایسی بسر کرو کہ گویا خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرے ہر عمل پر نظر ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ . (سورۃ الحدید ۵۷۔آیت ۴)

ترجمہ: ”تم کہیں بھی ہو،تمہارے ساتھ ہے،دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو“۔

اس خیال کے ساتھ زندگی بسر کرو،یہ احسان ہے۔جب وہ نکل گئے باہر تو حضورﷺ

نے فرمایا دیکھنا ذرا باہر جا کے کون تھا یہ بندہ؟ صحابہؓ نے کہا کہ کوئی نہیں ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل تھے، آج مجھے اتنی دیر لگی پہچاننے میں۔ یہ جبرائیلؑ تھے۔ یہ آپ لوگوں کو دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔ تو تین چیزیں اس میں بیان کر دیں۔ اسلام، دوسری ایمان اور تیسری احسان۔ یہ خلوص جو ہے یہی Multiple کرتا ہے۔ خلوص کا صفر ہونا اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ ہمیں نہیں ضرورت۔ نہ اس نماز کی ضرورت ہے، نہ ایسے روزے کی ضرورت ہے جس میں تم نے جھوٹ نہیں چھوڑا تو جسم کو بھوکا اور پیاسا رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اب نماز شروع ہوتی ہے۔ اللہ اکبر کہہ دیا تو پھر بٹن باندھنے شروع کرتے ہیں، داڑھی سے کھیلنا شروع کر دیا۔ یہ تو نماز نہیں ہے۔

یہ جو تکبیر تحریمہ ہے اسے تکبیر تحریمہ کیوں کہتے ہیں۔ تکبیر تو ہے اللہ اکبر۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر ہے۔ یہ تکبیر ہے۔ اللہ کی بڑائی بیان کرنا۔ یہ تکبیر تحریمہ ہے یعنی وہ تکبیر جو دوسری چیزوں کو حرام قرار دے دیتی ہے۔ اللہ اکبر کہہ دیا، یہ ہاتھ باندھ لئے، اب یہ ہاتھ نہیں کھلنے۔ جس چابی سے باندھتے ہو، اللہ اکبر، یہی چلے گی تو پھر کھولیں گے۔ اللہ اکبر ہو گی تو پھر ہاتھ کھلیں گے۔ یہ اس سے قبل کھل گئے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ ہاتھ آپ نے باندھے ہی نہیں ہیں۔ پھر یہ شلوار صحیح کرنی شروع کر دی۔ مسئلہ لکھا ہوا تھا کہ دونوں ہاتھ سے اگر بندہ کوئی کام کر رہا ہے تو پتا چلے کہ نماز میں نہیں ہے تو نماز ٹوٹ گئی۔ کسی نے خبر دی کہ پاکستان جیت گیا، کہا سبحان اللہ تو نماز ٹوٹ گئی۔ کوئی قرآن پڑھ رہا ہے، اس کی تصحیح کر دی تو آپ کی نماز ٹوٹ گئی۔ نماز سے باہر یہ بندہ نہیں جا سکتا۔ کوئی عمل چاہے کتنا ہی اچھا ہو۔ یہ تکبیر تحریمہ ہے، اس سے ہاتھ باندھے ہیں۔

ایک دن ٹی وی پر ایک ماہر نفسیات آیا ہوا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا کا سروے ہوا کہ کون سے لوگ اطمینانِ قلب والے ہیں۔ یورپ کے لوگ بھی بڑے اچھے تھے۔ ان کے پچیس (۲۵)، تیس فیصد لوگ معتدل تھے۔ سب سے اچھے امریکن تھے۔ وہ ان سے بھی اچھے تھے۔ انہوں نے کہا کہ افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ جو نمازیں پڑھتے ہیں، آیتیں بھی پڑھتے ہیں:

أَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۔ (سورۃ الرعد ۱۳۔ آیت ۲۸)

''کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔'' افسوس کی بات ہے کہ ہمارا اطمینان کا لیول سب سے نیچے تھا۔ پانچ (۵)، دس (۱۰) فیصد تھے ہمارے لوگ۔ حالانکہ بات یہ ہے کہ قرآن کی بات تو ٹھیک ہے لیکن اس کی کوالٹی چاہئے۔ اس ذکر کی کوالٹی چاہئے۔ کوالٹی نہیں ہے تو پھر کیسے ہوگا؟ وہ کہتا ہے کہ شرم کی بات ہے کہ ہم سب سے نیچے تھے۔ پھر اس نے لطیفہ سنایا۔ کہتا ہے کہ میں پشاور گیا ہوا تھا۔ مولوی صاحب نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ رولا پڑ گیا کسی نے کہا کہ چار پڑھائی ہیں، کسی نے کہا کہ تین پڑھائی ہیں۔ مولوی صاحب کہیں کہ میں نے چار پڑھائی ہیں ایک حاجی صاحب بولے کہ مجھے پکا یقین ہے کہ مولوی صاحب نے تین پڑھائی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتا ہے حاجی صاحب؟ سارے کہہ رہے ہیں کہ چار پڑھائی ہیں، آپ کیسے کہتے ہیں کہ تین پڑھائی ہیں؟ کہتے ہیں کہ دیکھو، ہماری چار دکانیں ہیں۔ ہم ہر رکعت میں ایک دکان کا حساب کرتے رہے۔ آج تین دکانوں کا حساب کیا ہے، انہوں نے سلام پھیر دیا ہے (قہقہے)۔ مجھے پکا یقین ہے کہ انہوں نے تین پڑھائی ہیں۔ یہ ہماری نمازوں کی حقیقت ہے کہ حاجی صاحب ہر رکعت میں دکان کا حساب کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ تین کا حساب ہوا ہے اور سلام پھیر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تین ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ ہماری نمازیں ہیں۔

در زبان تسبیح و در دل گاؤ وخر

ایں چنین تسبیح کی دارد اثر

یہ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ زبان پہ تو تسبیح چل رہی ہے، دل کے اندر گائے چر رہی ہے کہ وہ گائے کو گھاس ڈالنا تھا، وہ ڈالا یا نہیں تو اس تسبیح کا کیا فائدہ؟ ساتھ چلے دل اور زبان۔ یہ ساتھ چلیں اور اس کے ساتھ ساتھ چلے آدمی، جو کہہ رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ۔ خدا نے قرآن میں نہیں کہا کہ نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشے میں ہو۔ اس نشے کی تعریف یہ کی کہ جب تمہیں یہ نہ پتا چلے کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں۔ یہ نہیں کہا کہ افیم کا یا کوئی دوسرا نشہ۔ کہا کہ

جب تمہیں یہ نہ پتا چلے کہ تم منہ سے کیا کہہ رہے ہو، یہ نشہ ہے۔ کسی چیز کا ہو، کاروبار کا ہو، کسی بندے کا ہو یا کچھ ہو، جب آپ پڑھ رہے ہیں تو پتا نہیں کہ کیا کہا۔ مولوی صاحب آگے پڑھ رہے ہیں، انہیں نہیں پتا کہ مولوی صاحب نے کون سی صورت پڑھی ہے۔ آپ پڑھی ہے تو اس میں بھی نہیں پتا۔ اَلَم تَرَ کَیفَ ... کا گھوٹا لگایا ہے تو اَلَم تَرَ کَیفَ ... چل جائے گا۔ اِنَّا اَعطَینٰکَ ... پڑھنی ہے تو وہ آٹومیٹک پڑھ جائے گا لیکن پتا نہیں کہ کیا پڑھا ہے۔ نہ مسلمانوں کی طرف خیال اور نہ یہ خیال کہ میں اللہ کے ساتھ کیا عہد کر رہا ہوں۔ کوئی پتا نہیں۔ اللہ نے کہا کہ ایسی نماز کے قریب مت جاؤ۔ دو چار منٹ بیٹھ جائیں، وضو کر لیا، حالت صحیح ہو جائے تو پھر نماز پڑھیں۔ دو چار منٹ ٹھہر کر اللہ سے تعلق قائم کر لیں پھر اسے پڑھیں۔

فرمایا کہ احسان یہ ہے کو یا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ آپکے سامنے آنکھوں کے سامنے وہ ہے۔ یہ واقعی ایسے ہے۔ مولانا حضرت صاحب مجدد الف ثانیؒ کے خطوط میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہ بالکل علیحدہ چیز ہے۔ Compliment کرتی ہے اس کو۔ خلوص نہیں ہوگا تو سب کچھ فیل ہوائے گا ضرب خلوص زیرو ہوگا تو سب کچھ زیرو ہو جائے گا۔ اعمال تھوڑے ہیں، ضرب خلوص سو (۱۰۰) فیصد ہے تو Multiple ہو جائے گا۔ وہ اسی سے بڑھتے ہیں، اسی سے کم ہوتے ہیں۔ نمازیں جو ہیں، یہ پاس انفاس اچھا صحیح طریقے سے کریں گے، نفی اثبات صحیح طریقے سے کریں گے پھر وہ کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ <u>پوری نماز اثبات میں ہو، پاس انفاس نہیں ہوگا۔ اثبات کی کیفیت جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں جو ٹھہرتے ہیں نماز میں وہی کیفیت ہوگی</u>، خدا سامنے ہوگا اور آپ آرام سے نماز پڑھیں۔

سب سے بڑی نعمت

(ماجد محمود توحیدی)

" پھر تم سے اس دن ہر نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا!" (التکاثر)

اللہ تعالیٰ کی انسان پر بے پایاں عنایات ہیں اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ شفقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صراط مستقیم سے روشناس کروانے کے لئے اپنی محبوب ترین شخصیات دنیا میں بھیجیں ورنہ اللہ کی ربوبیت والوہیت اور اپنی عبدیت کا اقرار تو انسان روز ازل ہی سے عالم ارواح میں اللہ کے سامنے کر چکا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے یاددہانی کیلئے اپنے رسول بھیجے تا کہ انسان غفلت و بے خبری میں رہ کر کہیں دوزخ میں نہ چلا جائے بلکہ صراط مستقیم پر چل کر جنت کا وارث بن جائے۔

ہماری بہت بڑی خوش قسمتی اور اللہ کی بہت بڑی مہربانی کہ اللہ نے ہم کو اپنے محبوب ترین بندے، ثمرہ کائنات، سید الانبیاء، رحمت اللعالمین کی امت میں پیدا فرمایا۔

انسان پر اللہ کی کروڑہا نعمتیں ہیں جن کا شمار ہی نہ تو انسان کے بس میں ہے نہ ہی انسان ان کا شکریہ ادا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ رحمٰن میں انسان کے شعور میں اپنی نعمتوں کا احساس پیدا کرنے کے لئے جا بجا یہ بات ارشاد فرمائی: "تم اپنے ربّ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے"

نعمتوں کے شکر کے حوالے سے اللہ نے سورۃ کہف کی آخری آیت میں یوں ارشاد فرمایا۔

" آپ فرما دیں کہ اگر تمام دریا سیاہی بن جائیں اور تمام انسان میری تعریف لکھنے بیٹھیں تو یہ دریا ختم ہو جائیں اتنے دریا اور آ جائیں تو بھی میری تعریف نہیں لکھ سکتے"۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنا نوازنے کے باوجود احسان نہیں جتلایا۔ اب ہم اس نعمت کی طرف آتے ہیں جو سب نعمتوں سے افضل و اعلیٰ اور معتبر ہے کہ جس کا احسان جتلائے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں رہ سکے وہ نعمت ہے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰؐ: اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

"البتہ تحقیق ہم نے مومنوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں اپنا رسول بھیجا"۔

اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا مقدس فریضہ بھی ارشاد فرمادیا کہ:

" آپ ان پر میری نشانیاں تلاوت کرتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے"۔

اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ ہمیں مکمل ترین ضابطہ حیات اور سید الانبیاءؐ کی امت میں پیدا فرمایا ہے۔جس کلاس کو کامل ترین استاد مل جائے اور جس کلاس کا نصاب بھی ہر قسم کے نقائص سے مبرا ہو اور مکمل ترین ہو۔اس کلاس کا نتیجہ لازمی طور پر سو فیصد ہونا چاہیے۔آج ہم اپنی طرف دیکھیں تو ہمارا (امت مسلمہ کا) حال بہت ہی برا ہے۔جو کہ صرف ہماری بے عملی اور نالائقی کا ثبوت ہے۔قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے حضور اکرمؐ کے لائے ہوئے پیغام کو اپنا نصب العین بنایا تو بڑی سرعت سے دنیا پر چھا گئے۔اور دنیا کی امامت ان کے ہاتھ آ گئی۔جونہی ہم نے اس تعلیم سے ناطہ توڑا ہم نیچے لڑھکنا شروع ہو گئے۔

ہر سال 12 ربیع الاوّل کے مہینے میں حضور اکرمؐ کی آمد کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔مقررین حضرات شان رسالتؐ پر تقاریر کرتے ہیں۔یہ سب کچھ ضرور ہونا چاہیے۔کیوں نہ ہو آخر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سمیٹ کر انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیج دی۔لیکن ان مجالس میں حضور اکرمؐ کے لائے ہوئے مشن کی بات کم ہوتی ہے۔جو ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے۔جس کی تکمیل امت وسط کے ہاتھوں ہونی ہے۔اور وہ مشن اللہ کے رسولؐ کے لائے ہوئے پیغام رحمت کو ساری دنیا تک پہنچانا ہے۔دنیا کو اس راہ کی طرف بلانا بھی ہے اور عملی زندگی سے اس کا نمونہ بھی دکھانا ہے۔

حضور اکرمؐ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا اور صحابہ کرامؓ سے سوال کیا! کیا میں نے اللہ کا پیغام آپ تک پہنچا دیا ہے۔سب نے عرض کی یا رسول اللہ ہاں آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے۔آپ نے فرمایا! اے اللہ گواہ رہنا۔اس کے بعد جلد ہی قرآن کریم کا نزول اختتام کو پہنچا۔چونکہ حضورؐ نے اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچانے اور راسے عملی طور پر نافذ کرنے کا حق ادا کر دیا اس لئے اللہ نے اپنے حبیب کو اپنے پاس بلا لیا۔حضور اکرمؐ کے بعد یہ ہماری ذمہ

داری تھی کہ پوری دنیا تک اللہ کی رحمت کا پیغام ہم نے پہنچانا تھا۔ جب تک مسلمان متحرک رہے یہ فرض پورا ہوتا رہا۔لیکن اب دوسرے فرائض کی طرح یہ فرض بھی پورا نہیں ہو رہا۔ ہم خود ہی اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔دوسروں کو روشنیوں کا ہمسفر کیسے بنائیں گے۔ہم نے انسانیت کو اللہ کا راستہ بتانا تھا لیکن ہم خود ہی اللہ سے دوری کا شکار ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سے روٹھے ہوئے ہیں۔ آج جو قومیں غیر مسلم ہیں اور کفر و ضلالت میں پڑ کر جانوروں سے بھی بدتر زندگی بسر کر رہی ہیں۔ کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ اس میں کچھ ہمارا بھی قصور ہے۔کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ ان کے سامنے حقیقت کو واضح کریں۔اسلام جیسے فطرتی دین کی روشنی سے روشناس کروائیں۔ان حالات میں علمائے دین کا فرض ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈالیں کہ امت مسلمہ کا دنیا میں کیا کردار رہے۔کیوں اسے "خیر الامت" کا خطاب دیا گیا ہے۔کیوں اس امت میں شامل ہونے کے لئے سابقہ انبیاء اللہ تعالیٰ سے دعائیں فرماتے رہے یاد رکھنا چاہیے کسی بھی چیز یا شخص کی اہمیت و فضیلت اس کے کردار و خوبی کی وجہ سے ہوتی ہے اور جب اس کی یہ کردار و خوبی جاتی رہتی ہے تو اس کی شان و شوکت بھی جاتی رہتی ہے۔کل قیامت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے کونسا منہ لیکر جائیں گے کہ انبیاء کے تاجدار کی رہنمائی اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کی ہدایت کے باوجود ہم اللہ سے منہ موڑ کر دنیا کی لذات میں کھو گئے۔

اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو حضور اکرمؐ کی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں۔اپنے اخلاق و کردار کو قرآن کے مطابق بنائیں تاکہ نہ صرف اسلامی معاشرہ اللہ کے دین کے ثمرات سے مستفید ہو بلکہ ساری دنیا ان ثمرات کو دیکھے اور ان سے فائدہ اٹھائے کیونکہ اسلام کا پیغام سب کے لئے ہے۔

اس لئے ہمیں اپنے عمل سے ثابت کرنا ہے کہ ہمارے رسولؐ ہی اللہ کے آخری رسولؐ اور قرآن تمام انسانوں کے لئے مکمل ترین ضابطہ حیات ہے جس پر چل کر ہم دنیا میں بھی پھل پھول سکتے ہیں اور اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ کی رضا اور اعلیٰ ترین

نعمتوں کے حقدار بن سکتے ہیں۔یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم حضور اکرمؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک وفرحت کا سبب بن سکتے ہیں۔

اللہ کی نصرتیں تو آج بھی ہمارے ساتھ ہیں۔صرف ہمارے مومن بننے کی دیر ہے۔ اپنی اصلاح کرنے کی دیر ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو" مومن کی صفات جاننے کے لئے قرآن کریم کا مطالعہ کریں۔اور اس کی عملی زندگی کی جھلک دیکھنی ہو تو حضور نبی اکرمؐ کا اسوہ حسنہ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی زندگی سے مکمل رہنمائی مل جائے گی۔ اس لئے اگر ہم اللہ کے لئے میدان میں نکل پڑیں تو اللہ کی رحمت ہمیں تنہا نہیں چھوڑے گی اور فرشتے آج بھی ہماری نصرت کو اتر سکتے ہیں:۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

شرط صرف مومن کی ہے اس معیار تک پہنچنے کی ہے جہاں اللہ ہمیں دیکھنا چاہتے ہیں ورنہ ہم منجدھار میں پھنسے اور طوفانوں میں گھرے رہیں گے اور لہریں ہمیں ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر پٹختیں رہیں گی ہمیں حالات کو قابو میں کرنا ہے اور طوفانوں کا رخ موڑنا ہے۔یہ کام ہر مومن کو فرداً فرداً بھی کرنا ہے اور آج ہی سے کرنا ہے اور پھر اسے محبت سے پوری ملت تک پھیلانا ہے۔جب تک یہ نہ ہوگا حالات نہیں بدلیں گے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ ہم کو سچے اور پکے مومن بنائے۔سیاسی اور مسلکی اختلافات کو ختم کرے صرف مسلم بننے کی توفیق دے۔دنیا کی محبت دور کرے اپنی اور اپنے حبیبؐ کی محبت ہمارے دلوں میں بسا دے۔صحیح معنوں میں حضورؐ کا امتی اور غلام بنائے اور قیامت کے دن اپنے اور اپنے حبیبؐ کے سامنے شرمسار ہونے سے بچا کر سرخرو فرمائے۔آمین

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اخلاقی قدریں اور ہم

(خالد شفیق قریشی: پشاور یونیورسٹی)

اخلاق کی تعریف شاید ہی کوئی ذی روح نہ جانتا ہو۔ ہمارے مذہب اسلام میں جتنا زور اخلاق پر دیا گیا ہے اس سے عیاں ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اخلاق کی اہمیت کس قدر بلند درجہ رکھتی ہے۔ حضورﷺ اکرم کا ارشاد ہے کہ "تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔"

درحقیقت اس مادی دور میں جہاں اسلام کی اور قدروں کو پس پشت رکھ دیا گیا ہے۔ وہاں اس بات کو بھی یکسر بھلا دیا گیا ہے کہ اخلاق بھی کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ مذہب سے بے گانگی اور دیگر الجھنوں کی بناء پر ایک عام آدمی کی سوچ فکرِ فردا کے مسائل سے قطعی آگے بڑھنے سے شعوری طور پر انکاری ہے اور ان مسائل نے اسلام کی ان تعلیمات کو بالکل سرسری سی گردان میں رکھا ہے جو مختصر مگر معنوی اعتبار سے مکمل اور جامع ہیں اور جنہیں ہم روانی سے پڑھنے یا سننے کے بعد نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ تو دوسروں کے لئے لازم ہے۔ حالانکہ ایفائے وعدہ معاشرتی تعلقات اور ان کی تعریف، ملنساری کے آداب اور دیگر اجتماعی اور انفرادی فرائض بالکل اوائل عمر سے انسانی وجود کو سمجھنے کے لئے پیغمبر اسلام کی معرفت حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصود تھا کہ سفید ذہن پر اخلاق کی ان مٹ سیاہی چڑھ جائے اور بنیادی طور سے انسانی ذہن ایسی ٹھان لے کہ اسے رجوع حق کی مدت تک کے درمیانی عرصہ میں اپنی اور دیگر انسانوں کی پہچان رہے۔ لیکن اسے کیا کہا جائے کہ ہم تو کسی بھی قسم کی تعلیم کو جو پیغمبر اسلام نے لازم قرار دی ہے۔ ماں کی گود کے دور سے صرف والدین کی بدولت یا مابعد اساتذہ کرام سے قبول یا رد کرتے ہیں۔ حضور اکرمﷺ کا یہ ارشاد بھی کتنا جامع ہے کہ "والدین کی طرف سے اولاد کے لئے بہترین عطیہ ان کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔" اور تعلیم و تربیت بجائے خود ایک مفصل عنوان ہے

اس میں ہر وہ اسلامی تعلیم مضمر ہے جو کہ مذہب اسلام کا خاصہ ہے۔اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ بچہ اپنی ذات میں نامکمل ہوتا ہے اور والدین کی سکھلائی ہی درحقیقت اس کے مستقبل کی تنزلی اور اونچائی کا باعث بنتی ہے۔میرا موضوع جس عنوان سے شروع کیا گیا ہے وہ حیرت انگیز طور پر ایک نئی کروٹ لے رہا ہے کہ بات اخلاق کی ہو رہی تھی مگر والدین کی تربیت اور تعلیم سے مربوط ہوگئی اس کے لئے میرے پاس کہنے کے لئے ذیل کی سطور ہیں کہ جن میں میں ثابت کرنے کی سعی کروں گا کہ درحقیقت ماں کی گود سے لے کر گور کی دہلیز تک ہی ایک مسلسل اور مخصوص ذہن کارفرما ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داری شعوری اور لاشعوری دونوں حیثیتوں سے والدین کی جانب منتقل ہوتی ہے۔انگریزی کی ایک مثال ہے کہ "تم دنیا کو اس کے بنائے ہوئے سکے ہی لوٹاؤ گے"۔اور ہم بھی واقعی والدین کو وہی کچھ اپنے اعمال سے منتقل کرتے ہیں جو وہ ہمارے ذہن میں اوائل ہی سے رکھتے ہیں۔

آیئے! ذرا ہم اپنے والدین کی طرف اپنی سوچ کو مبذول کریں۔لیکن قبل اس کے کہ مزید آگے بڑھا جائے یہ وضاحت بھی لازمی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی صاحب اولاد اپنی دانست میں اپنے جگر کے گوشوں کی برائی نہیں چاہتا اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو انسانوں کی دنیا میں سب سے زیادہ بلندی پر دیکھے اور اس کی تمنا اور خواہش اتنی شدید ہوتی ہے کہ وہ ان خواہشوں اور تمناؤں کو تکمیل کی صورت میں دیکھنے کے لئے صراط مستقیم سے قطعی بے بہرہ ہو جاتا ہے اور یہ خواہشات، تکمیل کے لئے جو راستے اپناتی ہیں وہ بجائے اس کی "حاصل زندگی" (اولاد) کو صحیح اور جائز عروج دیے یکسر جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں اتار دیتی ہے لیکن ظاہر کی آنکھ انہیں بے شک اچھے حال میں دیکھے مگر ان پر گزرنے والی کیفیات سے صرف وہی واقف ہو سکتے ہیں جو ان مراحل سے گزرتے ہیں۔ایسا کیوں ہوتا ہے؟ تو اس کی وضاحت کی خاطر ہمیں اپنا مسئلہ دوبارہ انہی سطور سے جوڑنا ہوگا جہاں ہم نے موضوع کو یہ نئی شکل دی ہے۔

آج کے اس مادّہ پرست دور میں کہ ہمارے والدین نے بھی کم وبیش اسی صدی میں جنم لیا ہے

اور دنیوی روش اور آسائش جان اور آسائش اولاد کی خاطر ایسے راستوں کو اپنایا کہ گو آسائش تو مہیا کر سکتے ہیں اور اولاد کو واقعی مستفید کر سکتے ہیں مگر اولاد کی محبت میں جو راستہ وہ اختیار کرتے ہیں وہ اوّل تو انہیں خود خالق حقیقی سے دور تر کر دیتا ہے۔ظاہر ہے کہ محمد ﷺ کی تعلیمات کو فراموش کرنے والا خدا کے نزدیک کیسے ہو سکتا ہے۔دوئم وہ اپنی اولاد سے بھی دور تر ہو جاتا ہے کہ جس کی راحت اور سکھ کی خاطر اس نے چور راستہ اپنایا وہی اولاد اس سے بعید فاصلے پر چلی گئی کیوں؟ تو حقائق کی کڑواہٹ کو ہمیں فراخدلی سے تسلیم کرنا ہوگا۔یہ مانا کہ آج کا دور گوناگوں مسائل کا حامل ہے اور ہر انسان کی خواہش ہے کہ وہ مالدار رہو، تا کہ اس اذیت بھرے دور میں اپنی اولاد کو سکھ سے ہمکنار کرے۔مجھے اس سے اس حد تک اتفاق ہے کہ واقعی والدین کو یہ سوچنے کا حق ہے اور دولت مندی کو اپنانا ان کا باعث آرام و آسائش اولاد ہونا چاہیے مگر جن اطوار سے یا جو کچھ پیش بندی کے طور سے وہ خالصتاً دنیوی اور شیطانی رنگ میں اپنے آپ کو رنگ کر یہ مال و اسباب حاصل کر لیتے ہیں مجھے اس سے شدید اختلاف ہے۔اب دیکھئے نا! کہ ہمارے والدین بلکہ ہم خود بھی (کیونکہ ہم خود بھی آنے والے کل کے باپ ہیں اور جو کچھ اپنے والدین کو کرتے دیکھتے ہیں وہ ہماری گھٹی میں شامل ہو رہا ہے) قناعت اور کفایت شعاری سے کوسوں دور ہیں اور خواہشات جہاں لامحدود ہوں تو ایمان خطرہ بن جاتا ہے اور خواہشات کی تعریف بھی بہت طویل ہے تاہم انہیں محسوس ہی کر لیا جائے تو بہتر ہے۔جہاں خواہشات کا دائرہ کار وسیع ہو جائے تو قناعت مزید سکڑ جاتی ہے بلکہ سرے سے غائب ہی ہو جاتی ہے اور نتیجتاً ہم اگر با اختیار ہیں تو رشوت لیتے ہیں۔تاجر ہیں تو ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں یعنی سکول میں کم پڑھاتے ہیں اور بعد از سکول زائد رقم کی خاطر نسلوں کی تباہی کو تحت الشعور میں دھکیل دیتے ہیں۔جاہل ہیں تو محنت کے بجائے چوری اختیار کر لیں گے کہ کسی کے پاس دولت زیادہ ہے تو اس میں سے حصہ لینا چاہیے۔غرضیکہ دنیا میں جتنے ذی روح ہیں کم و بیش اتنے ہی طریقہ کار دھوکا دہی کے بھی ہیں اور بنظر غائر دیکھا جائے تو آج کل کے شب و روز صرف اور صرف کاوش و سعی حصول دولت میں بسر ہو رہے ہیں اور لطف کی

بات تو یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں اور کس لئے کر رہے ہیں لیکن رشوت لینے والا یہ سوچ کر رشوت لیتا ہے کہ اس آمدن سے مکان بنوانے، اولاد کی تعلیم مکمل کرنے اور گھریلو ضروریات پوری ہونے کے بعد مزید رشوت نہیں لوں گا۔ بلکہ ہدف مکمل ہونے کے بعد اس مال بالا میں سے غربا کی مدد کروں گا اور مکمل طور پر فارغ البال ہونے کے بعد رب کائنات کے ہر حکم کی پیروی کروں گا اور یہی سوچ یہی خیالات دیگر طبقہ ہائے انسانی کے زر کے پجاری بھی رکھتے ہیں کہ توبہ کے دروازے تو ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں کیا ہوا جو آج ہم اپنی اولاد کی راحت اور روشن مستقبل کے لئے دولت لوٹ رہے ہیں کل ہم اپنی کفالت کے بعد خدا سے معافی مانگ لیں گے اور یقیناً وہ ہمیں معاف کر دے گا کیونکہ جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ گناہ کر رہے ہیں یہ مقصد بامقصد ہے یعنی اولاد کی تعلیم کے لئے پیسہ چاہئے دینے کے لئے دنیوی آسائشات سے مزین گھر اور اولاد کی شادیوں کے لئے بھی دولت چاہئے اور قناعت سے یہ دولت انبار کی صورت میں نہیں مل سکتی بلکہ قناعت جسم کو ناتواں کر دیتی ہے اور حقائق سے قریب کر دیتی ہے اور حقیقت سے قرب درحقیقت خدا کا قرب ہے اور اللہ کا قرب تو ہم دولت حاصل کرنے کے بعد بھی حاصل کر سکتے ہیں وہ یقیناً اس درمیانے وقفے کی دوری کو قربت میں بدل دے گا۔ کیونکہ وہ عفوو درگزر کرنے والا ہے اور یقیناً ہماری خطائیں معاف کر دے گا۔ لیکن یہ ناجائز اعتماد رکھنے والے اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ جو دولت اور اس سے حاصل شدہ رزق کا ایک ایک لقمہ بھی وہ اولاد کے شکم میں منتقل کر رہے ہیں وہ حرام ہے اور حرام رزق کی بابت محسن انسانیت ﷺ کا قول ہے کہ حرام ذرائع سے حاصل کیا گیا ایک لقمہ بھی سات پشتوں تک اپنا اثر برقرار رکھے گا لہٰذا اپنی اولاد کو حرام سے بچاؤ مگر کیا کیا جائے شعور کی زد میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے والدین ہمیں حرامی بنا دیتے ہیں اور ہم اپنی نسل ہیں اور یقیناً یہ خون حرام ہم بھی اپنی اولاد کو منتقل کریں گے اور سات پشتوں تک بات پہنچتے پہنچتے ہم ہڈیوں میں بدل جائیں گے۔ اس سے بالکل عیاں ہے کہ ایسے خمیر سے جنم لینے والی اولاد اخلاق تو کیا کسی اسلامی تعلیم سے قطعی

بے بہر ہوگی ۔اسلام جہاں معنوی اعتبار سے بے حد وسیع ہے وہاں انسانی پرورش کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ آگے چل کر یہ چھوٹی چھوٹی تعلیمات زندگی کے پرخار راستوں کو متبادل راستے دیتی ہیں ۔اس ضمن میں مجھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا وہ واقعہ شدت سے یاد آ گیا ہے کہ "ایک مرتبہ اپنی والدہ ماجدہ کو چولہا سلگاتے ہوئے دیکھا کہ وہ قابل احترام ماں چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو ترتیب دینے کے بعد ان کے اوپر نسبتاً بڑی لکڑیاں رکھ کر دیا سلائی دکھا رہی ہیں اور یوں اس ایندھن نے ایک دم آگ پکڑ لی ۔یہ دیکھ کر آپؒ بے اختیار رو پڑے، والدہ گرامی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ قیامت کے دن بھی پہلے چھوٹے چھوٹے گناہ والوں کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا اور اس کے بعد گناہ کبیرہ والے جائیں گے ۔معاذاللہ، اللہ والے کسی بات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے اور معمولی معمولی باتوں سے بھی سبق اخذ کر لیا کرتے تھے ۔آج مجھے یاد آ رہا ہے کہ امام شافعیؒ نے ایک خاکروب سے کتے کے بارے میں کوئی مسئلہ پوچھا اور اس کے جواب سے مطمئن ہونے کے بعد تا زیست اس خاکروب کی عزت کرتے رہے کہ اس نے ایک مسئلہ میں صحیح سمت راہنمائی کی تھی ۔اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے کہ جو کسی بھی ایسی حرکت کا مرتکب ہو کہ جس کے بارے میں اسے علم ہو خداوند کریم نے اس سے منع فرمایا ہے اور بصورت دیگر اس کے ارتکاب کی کیا سزا مقرر فرمائی ہے لیکن وہ مبرا ہے اس سزا سے جو اس سے ناواقف ہو اور تحقیق زبردست عذاب ہے ۔ایسے لوگوں کے لئے جو جان بوجھ کر گناہ کرتے ہیں کہ بعد میں معافی مانگ لیں گے ۔

اے اپنی جان کے دشمنو! اپنے مال اور اولاد کے دشمنو! اگر تمہاری عقل یہ سمجھ کر سب کچھ تم سے عمل کراتی ہے کہ دنیا کی راحت میسر ہوتی ہے" کل کس نے دیکھا ہے" تو اسے سوچتے ہوئے بھول جاتے ہو کہ آج تمہاری اولاد تمہارے اعمال کی بدولت اور کمائی کی بدولت بری طرح الجھی ہوئی ہے اور ایک فرزانے، دیوانے کی مانند حیراں، پریشاں سرگرداں ہے کہ اس کے لئے شب و روز بے مقصد ہیں آج اکثر نوجوان روحانی تشنگی کا شکار ہیں گو کہ ان کے پاس دنیوی آسائش

کم وبیش موجود ہیں مگر وہ ایسے ہی پیاسے ہیں کہ جیسے صحرائی مسافر سراب میں مبتلا ہو، او رتہذیبی اقدار کی شکست وریخت کی بدولت ان کا اعتماد متزلزل ہے اور کسی کو برائی کے عمل سے روکنے کے قابل نہیں ہیں کہ خودتو باعمل نہیں زباں میں اثر کیا ہوگا۔ بس شتر مرغ کی سی کیفیت ہے کہ کسی کے برے عمل کو روک نہیں سکتے تو دل میں ہی برا کہہ لیتے ہیں اور اس کو ایمان کی سب سے بڑی کمزوری کہا جاتا ہے اور اس سے واضح ہے کہ اخلاقی جرات کا سرے سے فقدان ہے۔ او رمنزل سے قطعی بے خبری ہے کہ آج کا راستہ کس منزل پر منتج ہوگا بلکہ منزل تو بڑی بات ہے آج تو راستہ بھی معلوم نہیں صرف مادہ پرستی ہے اور یہی ابتدا اور یہی انتہا ہوگئی ہے۔ اخوت ملنساری، بھائی چارہ، خویش گیری قطعی بے کار تنتی ہوکر رہ گئیں ہیں کہ آج کے انسان کو اپنے پیدا کردہ مسائل سے نمٹنے ہی سے وقت نہیں ملتا وہ کیا اخوت کا ثبوت دے گا۔ آج تو صرف اپنی ذات کے لئے ہی زندہ رہنا انسان کی معراج بن گیا ہے اور نتیجتاً قومی بے حسی، معاشی ناہمواری، معاشرتی تفاوت نے انسانوں کے اندر دوریاں ہی دوریاں پیدا کردی ہیں۔ جنہیں سمیٹنا خود انسان کے بس میں نہیں رہا او رخود پیدا کردہ مسائل نے یہ بھی جنم دیا ہے کہ اپنے اعمال کی جوابدہی تو خیر حقیقی بات ہے مگر دوسرے لوگوں کے اعمال کا بھی جواب اللہ تعالیٰ کو دینا پڑے گا یہ حقوق العباد بھی اپنی جگہ ٹھوس حقیقت ہیں مگر ہم سب جانتے ہیں، ہمیں معلوم ہے اور نتائج کا بھی علم ہے مگر سزا کو دوسروں کا مقدر اور جزا اپنے لئے سمجھ کر ہم بزعم خود ہی شتر مرغ ہیں کہ جو کسی خطرے سے بچنے کے لئے ریت میں سر چھپا لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ کسی کو نہیں دیکھ رہا لہٰذا اسے بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اور دوسروں کو دھوکہ دینے والے درحقیقت اپنی ذات سے فریب کرتے ہیں اور بد اعمال کی سیاہی میں مزید تیرگی پیدا کرتے ہیں۔ یاسیت اور بد دلی کی ملی جلی کیفیت کی ذمہ داری او رمنتہا ایک لقمہ حرام ہی ہے کہ شیطان نے مجھی بن کہ پوری انسانیت کو دکھ میں مبتلا کر دیا تھا تو اشرف المخلوقات کا اشرف جب بگڑے تو اس کی وحشت انگیزیوں کو خود ہی ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ:

ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

امانت

(حاجی مبارک علی)

''ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو دکھائی تو انہوں نے قبول نہ کیا کہ اسکو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے۔اور انسان نے اسکو اٹھالیا۔بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔''

آیت کی رو سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں انہی نتائج کی رو سے ہم جائزہ لیں گے کہ وہ امانت کیا ہے جس کی وجہ سے اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی یعنی خلیفة الارض ہوتے ہوئے بھی یہ ظالم اور جاہل ٹھہرا !

(1) امانت کیا ہے۔　(2) آسمان زمین پہاڑ یعنی پوری کائنات زندہ ہے۔

(3) کائنات کی ہر تخلیق سوچ اور سمجھ رکھتی ہے چاہے وہ پہاڑ ہی کیوں نہ ہو۔

(4) اللہ تعالیٰ کا ڈر ہر چیز میں موجود ہے۔

(5) ہر تخلیق میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

(6) انسان سب مخلوقات سے زیادہ ذی شعور ہوتے ہوئے بھی ظالم اور جاہل ہے۔

مادہ

یہ سب سے بڑی اور اہم تخلیق ہے۔کیونکہ اس سے باقی ساری کائنات بنائی گئی ہے۔ اس میں بے شمار اجزاء شامل ہیں۔سائنسدان ہی بتا سکتے ہیں کہ کتنے اجزاء سے ساری کائنات کو بنایا گیا ہے۔بہر حال میجر اجزاء چار ہیں۔آگ، مٹی، ہوا، پانی۔

مادّہ میں ملاوٹ ہے۔خالص نہیں ہے۔ملاوٹ ہے تو کثافت ہے اور کثافت ہے تو بھاری پن ہے۔پاک نہیں ہے۔پھر مادّہ میں کشش ہے، مقناطیسیت ہے۔مادّہ اسی کشش کی وجہ سے انسان کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔اور مادّی ڈور جاری و ساری ہے۔مادّے میں چونکہ بہت اجزاء ہیں اس لئے لازمی ہے کہ ان کی خصوصیات بھی علیحدہ علیحدہ ہونگی۔اور ان کے اثرات بھی اور جذبات

بھی علیحدہ علیحدہ ہونگے۔مثلاً لالچ،حرص،طمع،جھوٹ،فریب،ظلم،نفرت،محبت،صداقت،اچھائی کا جذبہ،اللہ تعالیٰ کی پہچان،بہادری،ڈرپوک ہونا،سوچ اور سمجھ،انہی اجزاء کی کمی بیشی سے یہ جذبات کم یا زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔اجزائے ترکیبی ہی کو کم زیادہ یا آگے پیچھے کرنے سے صورت اشکال بھی تبدیل ہوجاتی ہیں۔اورایک چیز دوسری سے مختلف ہے۔انسانی اشکال بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اورسوچیں بھی۔

مادہ مادے سے جنم لیتا ہے،مادہ مادے کوکھاتا ہے،مادہ سے مادے کی تباہی ہوتی ہے،مادہ مادے پرظلم کرتا ہےاور مادہ مادے سے محبت کرتا ہے۔اسکا مطلب یہ نہیں کہ مادے کوکل سمجھتا ہوں۔مادےکوکس نے پیدا کیا؟مادے میں یہ ساری خصوصیات کس نے رکھیں؟مادے کومختلف اشکال کس نے دیں؟مادےکوہروقت کون حرکت دے رہا ہے؟۔

اب ہم دوسری مخلوقات کاجائزہ لیتے ہیں۔بہت کم مخلوقات ہیں جن کوہم جانتے ہیں۔

(1) فرشتے: اللہ تعالیٰ نے انکونور سے بنایا ہے۔منبع نوراللہ خود ہےاسکےنور سے بنی ہوئی مخلوق بھی خالص ہوگی۔جب ملاوٹ نہیں ہےتو گناہ نہیں کرسکتے۔ہم کہتے ہیں کہ ان میں نفس نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ ان میں ملاوٹ نہیں ہےاس لئے وہ گناہ کی طرف نہیں جاتے اپنی اپنی ڈیوٹی میں لگے ہوئے ہیں۔اوراپنا کام بطریقہ احسن انجام دے رہے ہیں۔

(2) جنات: جنات کواللہ تعالیٰ نے آگ سے بنایا ہے۔آگ بہت سی گیسوں کا مجموعہ ہے۔جب بہت سی گیسیں مل گئیں تو ملاوٹ ہوگئی۔اورپھراس میں مادہ بھی کارفرما ہےاس لئے ان میں گناہ کی صلاحیت موجود ہے مادہ ہوگا تو ملاوٹ ہوگی،ملاوٹ ہوگی تو کثافت ہوگی، کثافت ہوگی تو گناہ کی صلاحیت ہوگی۔جب گناہ کی صلاحیت ہوگی تو جزااورسزاہوگی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نےقرآن حکیم میں فرمایا کہ جنات اورانسان اکٹھے دوزخ میں ہونگے۔

(3) انسان: باقی مخلوقات جزوی طور پر مادہ سے بنی ہیں۔انسان کو مادہ کے سبب

عناصر کو اکٹھا کر کے بنایا گیا ہے۔مثلاً: آگ، مٹی، ہوا اور پانی۔اس لئے انسان میں ساری کثافتیں موجود ہیں۔اور گناہ بھی یہ سب مخلوقات سے زیادہ کرے گا۔ستی بھی اس میں زیادہ ہوگی اسکی جزا اور سزا بھی زیادہ ہوگی۔

ا۔ساری کائنات مادہ سے بنی ہے۔ ۲۔ساری کائنات ذی شعور ہے۔

۳۔ہر ذی شعور جو مادہ سے بنا ہے اسکو حساب دینا ہے۔ ۴۔انجام جنت یا دوزخ ہے۔

جب انسان اور جن دوزخ میں اکٹھے ہونگے تو ان میں مماثلت ہے۔جب پتھر دوزخ کا ایندھن ہونگے تو مماثلت ہے۔انسان کو برتری صرف دو باتوں میں ہے جو انسان کو افضل بناتی ہیں۔

جس چیز کے بنانے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کُن کہا وہ چیز بن گئی۔لیکن انسان کے ساتھ ایسے نہیں ہوا۔انسان کے بت کو اللہ تعالیٰ نے خود بنایا۔اور روح جو ہے وہ حکم ربی ہے۔یعنی بت بنانے کے بعد حکم ہوا کُن تو انسان بن گیا۔

''فاذا سویۃ و نفخت فیہ من روحی فقعولہ سجدین''

ترجمہ! پھر جب ٹھیک کروں انسان کو یعنی انسان مکمل ہو جاوے اسکے بعد پھونک دوں اسکو اپنی روح (جان) سے تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔

پھر فرمایا: **"اذ قال ربک للملکۃ انی خالق بشرً من طین oفاذ سویۃ و نفخت فیہ من روحی فقعو لہ سجدین"** (سورہ ص آیت 71،72)

ترجمہ !''جب کہا تیرے ربّ نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا۔پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی روح میں سے تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدے میں"۔

ان دونوں آیتوں کا متن تقریباً ایک ہی ہے لیکن ایک خفیف سا امتزاج ہے وہ یہ کہ روح حکم ربی ہے حکم تو کُن ہے اور کُن کہنے کے بعد انسان تو مکمل ہوگیا۔اسکے بعد انسان کو اپنی روح سے پھونکا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات بحت کا کچھ حصہ جس کو اپنی جان یا روح کہا گیا ہے، بطور خاص

انسان میں پھونک دیا اسکے بعد فرشتوں کو حکم ہے سجدہ میں گر پڑنے کا یہی میرے نزدیک امانت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان بڑا ظالم اور احمق ہے پھر یہ اشرف المخلوقات کیسے ہو گیا۔ اسکو دو چیزیں ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) ساری کائنات کی ہر چیز کو کہا کن اور بن گئی لیکن انسان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اپنے ہاتھوں سے بنانے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں جب شیطان کو رد کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حیران کن لہجہ میں فرمایا کہ میں نے اسکو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور تم نے اس کو سجدہ نہیں کیا۔ اندازہ لگائیں کہ یہ کتنی بڑی سعادت ہے۔

(۲) دوسرے اسکو اپنی جان یا روح سے پھونکا اور کسی تخلیق کو یہ سعادت بھی حاصل نہیں ہے۔

ان دو خصوصیات کی وجہ سے انسان سب مخلوقات سے ممتاز ہے اس لحاظ سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جتنا مادہ بطور جسم انسان کو الاٹ ہوا تھا یا ہوا ہے اس کو اللہ اور اسکے رسولوں کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق چمکاتا، پالش کرتا، صاف کرتا اور پاک ولطیف کر کے اللہ کے حضور پیش کرتا اور سرخرو ہو جاتا۔ لیکن یہ ظالم اس لئے ہوا کہ اس نے اس امانت کا پاس نہیں کیا اللہ کو اپنے اندر موجود نہیں سمجھا اسکی بطور خاص موجودگی میں یہ سارے برے کام کرتا ہے دوزخ کا مستحق ہے اس لئے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اس لئے ظالم ہے۔

اعلیٰ اخلاقی قدریں دل کے اندر کھوئی ہیں ان کی باہر تلاش ہے

(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

ایک کہانی: دوستو! بچپن میں ایک کہانی سنی تھی۔ ایک صاحب سڑک پر کچھ تلاش کر رہے تھے لوگوں نے پوچھا صاحب آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟ انھوں نے کہا جیب سے اشرفی گر گئی تھی، اسے تلاش کر رہا ہوں کچھ بھلے مانس بھی ان کے ساتھ تلاش میں لگ گئے تھوڑی دیر کے بعد کسی نے پوچھا، حضرت وہ اشرفی کہاں گری تھی؟ کہنے لگے گری تو گھر کے اندر تھی مگر مشکل یہ ہے کہ گھر میں روشنی نہیں ہے، سڑک پر روشنی ہے اس لئے یہاں تلاش کر رہا ہوں۔

انسان کی سہولت پسندی

بظاہر تو یہ ایک افسانہ یا لطیفہ معلوم ہوتا ہے مگر واقعات کی دنیا میں دیکھیں گے تو یہی نظر آئے گا کہ جو چیز گھر میں کھوئی ہے، اس کی آج باہر تلاش ہے، بڑے بڑے میدانوں میں آج یہی ہو رہا ہے کہ گھر کی چیز باہر تلاش کی جارہی ہے کوئی چیز کھوئی تو ہے اپنے اندر مگر تلاش اس کی باہر ہے، کیونکہ باہر روشنی ہے، آج بہت سی ایسی چیزوں کی کمیٹیوں اور جلسوں میں تلاش ہے۔ سکون، امن، اطمینان اندر کی چیزیں ہیں لیکن ان کی تلاش باہر ہے انسانیت کی قسمت اندر سے بگڑی ہے لیکن باہر اس کو بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جس امن و سکون اور اطمینان قلب کی ہمیں ضرورت ہے، جس محبت کی فضا، ہمدردی کی فضا، اخلاق کی فضا کی ہمیں اور آپ کو ضرورت ہے، زندگی کا جو جوہر اور زندگی کا جو قیمتی سرمایہ آج مفقود ہے وہ سب دل کی دنیا میں کھویا ہے، لیکن وہاں اندھیرا ہے، وہاں ہماری گزر نہیں، اس لئے ہم اس کو باہر ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم نے بڑا ظلم کیا کہ پہلے ہم نے دلوں میں جانے کا راستہ کھویا، اب اس کی چیزوں کو باہر تلاش کر رہے ہیں، آج دنیا کے اسٹیج پر یہی ڈرامہ کھیلا جارہا ہے دل کی دنیا میں اندھیرا ہے، ہاتھ کو ہاتھ

سجھائی نہیں دیتا، انسانی فطرت سہولت پسند ہے اس نے کبھی یہ زحمت برداشت نہیں کی کہ دل کے اندر ڈوب کر کھوئی ہوئی قیمتی چیز کو تلاش کرلے، اس نے اس کو آسان سمجھا کہ باہر روشنی میں اپنے گم شدہ مال کو تلاش کرے، آج قومیں حیران ہیں، بڑے بڑے حکیم و دانا سرگرداں ہیں، لیکن اس کا سرا نہیں ملتا کہ ہمارا مال کھویا کہاں ہے لوگوں نے جب دیکھا کہ دل کا دروازہ نہیں ملتا اور اس پر بس نہیں چلتا، اس کو روشن اور گرم کرنے کا سامان ہمارے پاس نہیں تو انھوں نے دماغ کی طرف توجہ کی اور انسانوں کی معلومات بڑھانا شروع کردیں جوبات آسان تھی وہ کرنے لگے۔ دماغ تک پہنچنا آسان تھا، انھوں نے دل کو چھوڑ کر دماغ کا راستہ اختیار کرلیا۔

آج ہر ایک اسی قافلہ کا شریک ہے جو آ رہا ہے وہیں جا رہا ہے، دل کے اندر پہنچنے کی کوشش نہیں، دنیا کی چول جب تک اپنی جگہ پر نہ آئے سدھارنا ممکن ہے، گھر میں اندھیرا ہے تو روشنی باہر سے لانا پڑے گی اور گھر میں کھوئی ہوئی پونجی اور من کی لٹی دولت کو وہیں تلاش کرنا پڑے گا، اگر ایسا نہ کیا تو زندگی ختم ہو جائے گی اور اس کا سراغ نہیں ملے گا۔

حقیقتوں سے کشتی نہیں لڑی جا سکتی:

آج ضرورت تھی کہ ان حقیقتوں کو ابھارا جاتا، انسانوں کو زندگی کا مقصد بتایا جاتا، تعلقات درست ہوتے، انسان حیوانی سطح سے بلند ہوتے، ایک دوسرے سے محبت ہوتی، ایک دوسرے کے لئے قربانی کا جذبہ ہوتا، ایک دوسرے کو بھائی کی نظر سے دیکھا جاتا، رقابت کی نظریں بند ہوتیں، اعتماد اور محبت کی نظریں پیدا ہوتیں، حقیقتیں گم ہوگئیں، سب سے بڑی حقیقت حقیقتوں کی جان یہ تھی کہ کس نے اس دنیا کے کارخانے کو بنایا ہے، وہ اسی کی مرضی اور ہدایت کے مطابق ٹھیک ٹھیک چل سکتا ہے، اگر اس سے لڑنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی ہدایات (Directions) کے مطابق کام نہیں ہوگا، تو کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا، گھڑی کی مثال لے لیجئے جو اس کا ماہر خصوصی (Specialist) ہے، اس کی ساخت سے واقف ہے وہی اس کی

کل درست کرسکتا ہے، کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم و فاضل ذہین اور فلسفی ہو، لیکن گھڑی اس کی ذہانت اور علم سے درست نہیں ہوسکتی، وہ تو ماہر فن کے چلانے سے چلے گی، یہ دنیا جس نے بنائی ہے اسی کی ہدایت سے ٹھیک ٹھیک چلے گی، حقیقتوں سے کشتی نہیں لڑی جاسکتی ان کے سامنے سر جھکانا ہی پڑے گا۔

انسان دنیا کا ٹرسٹی ہے:

میں اس وقت آپ سے کچھ بے لاگ باتیں کرنا چاہتا ہوں، لعنت ہے ایسی زندگی پر جس میں کبھی سچی بات نہ کہی جاسکے، آج ہر آدمی فائدہ دیکھتا ہے اور فائدے کے پیش نظر سچ یا جھوٹ بولنے میں ذرا پس و پیش نہیں کرتا، دنیا کو ایسے آدمیوں سے سدھارنا ممکن ہے، جو دو چار ایسے آدمی دنیا میں موجود ہیں انہیں سے دنیا قائم ہے جو ہمیشہ سچی بات کہتے ہیں چاہے جان جائے۔ آج دنیا کے رخ پر جو نکھار اور تابانی ہے یہ ان حق گو پیغمبروں، اللہ کے بھیجے ہوئے انسانوں کے خون جگر کا نتیجہ ہے جنہوں نے انسانیت کی فلاح اور قیام کے لئے اپنی زندگیاں نثار کردیں۔ اور اس طرح سے اس مقدس ورثہ اور گراں قدر متاع کے ہم وارث ہوئے۔ انسانیت کی نجات کا راستہ وہی درخشاں راستہ ہے جسے ان لوگوں نے دکھایا، آج بھی جب تک ہم یہ نہ سمجھیں کہ دنیا ہمارے لئے ہے اور ہم خدا کے لئے ہیں، ہم اس کے متولی (Trustee) اور امین ہیں اور خدا کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ ہیں، انسانیت کی مشکلیں حل نہیں ہوسکتیں، یہ تھا راستہ مشکل اور کانٹوں بھرا، لیکن یہی انسانیت کا راستہ تھا، یہ ایک ذمہ داری کی بات تھی، لوگوں نے اس سے گریز کیا، اور کلچر اور تہذیب کا نام لینا شروع کردیا۔

انسانیت کا مسئلہ پرانی تہذیبوں سے حل نہیں ہوسکتا:

دنیا کی تمام تہذیبیں قابل احترام ہیں خصوصاً اپنے ملک ہندوستان کی تہذیب ہمیں عزیز ہے، یہ ہماری میراث ہے اور ہم اس کی قدر کرتے ہیں لیکن انسانیت کا صحیح ارتقاء پرانی تہذیبوں سے

نہیں ہوسکتا، ان چیزوں میں اب جان نہیں رہی ان کی صلاحیت اب ختم ہوگئی۔ یہ اپنا مشن (Mission) پورا کرچکیں یہ اپنا پارٹ ادا کرچکیں ان کے بہت سے پہلو اب بھی بہت اچھے ہیں لیکن آج انسانیت کے عروج کے لئے اور عام اخلاقی گراوٹ کو روکنے کے لئے ان میں کوئی جان نہیں، ان کے پاس کوئی پیغام نہیں، جس طرح ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ نصب (Adjust) نہیں کی جاسکتی دو ہزار برس پرانی چیز آج کے ماحول میں کام نہیں دے سکتی، عربوں کی پرانی تہذیب رومیوں اور یونانیوں کی تہذیب اپنے اپنے وقت کی زندہ اور ترقی یافتہ تہذیبیں تھیں، لیکن اب وہ اپنا نمو اور شادابی کھوچکیں، اب ان کی جگہ صرف آثار قدیمہ میں ہے۔

تہذیبیں انسانیت کا لباس ہیں انسانیت لباس تبدیل کرتی رہتی ہے:

انسانیت تہذیبوں سے بالاتر ہے، یہ سب تہذیبیں مل کر بھی آدمیت کو جنم نہیں دیتیں، آدمیت تہذیبوں کو جنم دیتی ہے، آدمیت کسی مخصوص زمانے اور کسی مخصوص مقام سے مخصوص نہیں، تہذیبیں اس کا لباس ہیں اور وہ اپنا لباس بدلتی رہتی ہے اور اپنے سن اور اپنے ذوق کے مطابق اپنے آپ کو آراستہ کرتی رہتی ہے اور یہ بالکل قدرتی اور ضروری ہے، جو بچہ ہے وہ بچوں کا لباس پہنے گا، جو جوان ہے وہ جوانوں کا چولا بدلے گا، بچوں کا لباس جوان کو نہیں پہنایا جاسکتا، انسانیت کو کسی خاص دور یا کسی خاص ملک کے کلچر کا پابند نہ کیجئے۔ انسانیت کو بڑھنے دیجئے انسانیت آب حیات کا چشمہ ہے اسے ابلنے دیجئے۔ یہ صحرا، ریگستان اور میدانوں میں دوڑنا چاہتا ہے اسے بڑھنے اور پھیلنے دیجئے۔ مذہب کے عالمگیر اور زندہ اصولوں اور اپنی ذہانت اور ذوق سے انسانیت کا ایک نمونہ اور ایک نیا پیکر پیدا کیجئے انسانیت کے اخلاق کا ایک نیا گلدستہ بنایئے، وہ تازہ اور شاداب گلدستہ ہوگا، جو پھول سوکھ گئے، مرجھا گئے، ان کو گلے کا ہار بنانے پر اصرار نہ کیجئے۔

مذہب روح دیتا ہے، کلچر ایک ڈھانچہ:

مذہب اور تہذیب کا راستہ الگ ہے، مذہب روح دیتا ہے اور کلچر ایک ڈھانچہ (Model)

مذہب طریقہ حیات اور زندگی کا ایک ضابطہ دیتا ہے کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے، پھر آزاد چھوڑ دیتا ہے، مثال کے طور پر تہذیب کہتی ہے کہ سیٹھے کا قلم مقدس ہے اور مذہب کو اس سے بحث نہیں کہ لوہے کے قلم سے لکھا جائے یا فاؤنٹین پن سے، اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ لکھا جائے وہ سچ ہو اور اچھا، مذہب مقصد حیات عطا کرتا ہے اور زندگی کو روح دیتا ہے وہ انسانی زندگی پر کنٹرول قائم رکھتا ہے مگر اس سے حرکت اور نشو ونما کی صلاحیت نہیں چھینتا کلچر کا احیاء انسان کی نجات نہیں، چاہے یہ کام ہندو کرے یا مسلمان یا عیسائی۔

رسم الخط یا ضمیر واخلاق:

آج اس پر بڑا معرکہ برپا ہے کہ ملک کی زبان کیا ہونی چاہیے، کس رسم الخط میں لکھنا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کے درد کا مداوا اسی میں ہے ملک کا سدھار اسی پر موقوف ہے۔ دوستو! پیغمبروں کے سوچنے کا طریقہ یہ نہیں۔ ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تحریر کہاں سے شروع کی جائے اور کہاں ختم کی جائے، دائیں سے شروع ہو کر بائیں طرف یا بائیں سے شروع ہو کر دائیں طرف، ان کو تو اس سے دلچسپی ہے کہ لکھنے والا سچا، خدا سے ڈرنے والا، امانتدار اور فرض شناس ہو۔ پھر وہ کسی طرح لکھے وہ اچھا ہوگا۔ میں نے بنارس میں کہا تھا کہ اگر دستاویز جھوٹی ہے تو کیا دائیں سے شروع کرنے اور اردو یا فارسی میں لکھنے سے یا بائیں سے شروع کرنے اور ہندی یا انگریزی میں لکھنے سے وہ سچی ہو جائے گی؟ جھوٹی اور جعلی دستاویز کو جس طرح اور جس طرف سے لکھو گے وہ جھوٹی اور جعلی اور پاپی رہے گی، سچی دستاویز کو جس طرح اور جس طرف سے لکھو گے وہ سچی رہے گی پیغمبر رسم الخط کے پیچھے نہیں پڑتے، وہ اس ہاتھ کو درست کرنا چاہتے ہیں جو قلم سے کام لیتا ہے بلکہ وہ اس دل کو درست کرنا چاہتے ہیں جو ہاتھ کو حکم دیتا ہے۔

پیغمبر وسائل نہیں پیدا کرتے مقاصد عطا کرتے ہیں:

پیغمبروں کا کام یہ نہیں کہ اپنے اپنے زمانہ میں نئی نئی ایجادیں کریں اور آلات اور مشینیں

تیار کریں، وہ اس طرح کے انسان پیدا کرتے ہیں جو ان مصنوعات اور وسائل کو صحیح مقصد کے لئے صحیح طریقے پر استعمال کرسکیں۔ یورپ وسائل پیدا کرتا ہے پیغمبر مقاصد عطا کرتے ہیں، انہوں نے مشینیں نہیں ڈھالیں، آدمی ڈھالے تھے، یورپ نے مشینیں بنائیں مگر انہیں استعمال کون کرے؟ درندہ صفت انسان؟ آج ساری مصیبت یہ ہے کہ وسائل بہت ہیں، ایجادات بہت ہیں، سامان بہت ہے مگر صحیح طریقے پر استعمال کرنے والا آدمی نایاب ہے۔

انسانیت کو غمخوار انسانوں کی ضرورت ہے

انسانیت کو آج ایمان و یقین، سچائی اور پاکیزگی، محبت و مروت اور ہمدردی، غمخواری کی ضرورت ہے اس کا مداوا تہذیب نہیں، تحریر نہیں، اس کو ضرورت ہے غمخوار انسانوں کی، دردمند انسانوں کی، جو دوسروں کے لئے گھلیں اور خود کو مٹا کر دوسروں کو بنائیں، تحریروں اور تہذیبوں سے انسانیت نہیں پیدا ہوتی، یورپ نے ہم سے اخلاق اور روحانی اقدار (Values) چھین لئے، اس معاملہ میں وہ خود خالی ہاتھ تھا، اس نے ہمیں بھی دیوالیہ بنادیا، اس نے ہماری جھولیوں کو اخباروں سے بھر دیا، معلومات سے بھر دیا، مصنوعات سے بھر دیا اس نے ہماری راتوں کو چراغوں سے جڑ دیا، بجلی کے قمقموں سے جگمگا دیا، ہمیں دل کی روشنی کی ضرورت تھی، اس نے دل کا چراغ گل کردیا، مبارک تھا وہ زمانہ جب دل کی روشنی تھی بجلی کی روشنی نہیں تھی، آپ خود سوچیں آپ سے کوئی سودا کرنا چاہے تو آپ کو کونسا زمانہ پسند ہے؟ انسانیت کا ہمدردی کا، غمخواری کا زمانہ جس میں آدمیت کی قدر اور فکر تھی، یا وہ زمانہ جس میں انسانیت کا کوئی احترام نہیں، مگر اس میں پریس ہیں، بجلی کی روشنی ہے اور برقی پنکھے ہیں، آج سکون قلب میسر نہیں لیکن پیسہ کی افراط ہے آج سب کچھ ہے لیکن روحانی قدریں عنقا ہیں، آج سب کچھ ہے لیکن مقصد نہیں جس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہوں، پیاس سے تڑپ رہا ہو، اسے چلو بھر پانی چاہیے اس کے لئے سب کچھ کچھ نہیں، اس کے لئے کچھ نہیں، اس کے لئے اشرفیاں موجود ہوں تو کیا؟ ۔بس تمدن میں محبت کا

ذرہ نہیں، ایثار وہمدردی کا نام نہیں، جسے دیکھو غرض کا بندہ، اس تمدن کو لیکر کیا کریں۔

ہم نے دل کا راستہ کھو دیا:

ساری غلطی یہ ہو رہی ہے کہ صحیح دروازے سے آنے کی کوشش نہیں کی جاتی، چور دروازے سے داخل ہوتے ہیں، دل کا پھاٹک بند ہے اور اندر جانے کا راستہ وہی تھا، دل کا راستہ ہم کھو چکے ہم خودغرضیوں کے ساتھ وہاں نہیں پہنچ سکتے، دنیا کا بگاڑ، بیجا غرور اور خواہشات کا اقتدار اور ان سب کا دہانہ دل ہے، اس دل میں جب ایک خدا کا اقتدار نہیں اسے اسکی بالادستی تسلیم نہیں یہ خود کو اس کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتا تو پھر اس کی شکایت کیا، کسی کو پھر کیا غرض ہے کہ وہ کسی کی مدد کرے اور دوسرے کے لئے خود کو خطرے میں ڈالے، آج کی دنیا میں بھائی بھائی کو تاجرانہ ذہن سے دیکھتا ہے، ہر ایک نے دوسرے کو گاہک اور فریق سمجھ لیا ہے، سب طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، فطرت انسانی مسخ ہوگئی ہے، باپ بیٹوں سے نالاں ہیں، استاد شاگردوں سے ناخوش ہیں۔

نظام تعلیم کا نقص

آج یونیورسٹیوں میں کہرام مچا ہوا ہے کہ شاگرد ادب نہیں کرتے اور استاد شفقت و ہمدردی نہیں برتتے، تمام لوگ اس سے پریشان ہیں اور اس کی اصلاح کی طرح طرح کی کوششیں ہوتی ہیں ،لیکن اس کی جڑ اور بنیاد پر غور نہیں کیا جاتا کہ تعلیمی نظام جس کا سارا ڈھانچہ مادّہ پرستی ہو۔آخر اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں، تعلیم کا کون سا سٹیج ہے، جہاں اخلاق اور کردار کی تعمیر کی کوشش کی جاتی ہے؟ یہ تمام برائیاں تو متوقع نتائج ہیں، اس نظام تعلیم کے تمہارا ادب تمہارا آرٹ نفسانی خواہشات کو پیدا کرتا ہے، اور انسان کو موقع پرست (opportunist) بناتا ہے اور پھر تمہارا ماحول ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے کہ خواہشات اور خودغرضیوں کی تسکین ہو سکے، وہ تمھیں دولت مند، ساہوکار بننے کا جذبہ دیتا ہے، اس وقت ضرورت ضمیر اور ذہن بدلنے کی ہے، ان کے بدلے بغیر کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

ذہنیت کی تبدیلی کی ضرورت

آج ہمارے ملک میں کئی اصلاحی اور سماجی تحریکیں چل رہی ہیں، ہم ان کی قدر کرتے ہیں اور ہمارا بس چلے تو ہم ان کی مدد کریں، خصوصاً بھودان تحریک، لیکن زمین لینے سے پہلے دلوں میں یہ بات پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ کوئی زیادہ زمین رکھ ہی نہ سکے، لوگ خود بخود زمین دینے کو تیار ہو جائیں، ایسی ذہنیت بن جائے کہ لوگ ضرورت مندوں کو اپنی چیزیں دے کر خوشی محسوس کریں۔

ہم نے تاریخ میں یہ واقعہ پڑھا ہے کہ مکہ اور مدینہ میں پشتینی رقابت تھی ،ان کے کلچر اور(social life)میں اختلاف تھا لیکن جب مکہ سے لوگ مدینہ آنے پر مجبور ہوئے اور انھیں اپنا سارا اثاثہ اور مال و دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ آنا پڑا تو جن کے پاس کچھ نہ تھا وہ مدینہ کے مالدار کھاتے پیتے لوگوں کے بھائی بنا دیئے گئے ،انھوں نے اپنے ان بھائیوں کو سینے سے لگایا اور جن سے کوئی خونی رشتہ نہیں تھا، ان کے سامنے اپنے گھر کی آدھی دولت لا کر رکھ دی ،ادھر آنے والوں کے دل ایسے بنائے گئے تھے اور ان کی ایسی تربیت کی گئی تھی کہ انھوں نے ان کو دعا دی اور ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ،ہمیں آپ کچھ تھوڑا سا قرض دیدیجیے اور بازار کا راستہ بتلا دیجئے ہم مکہ میں بھی تجارت کرتے تھے اور یہاں بھی تجارت کریں گے پیغمبر اسلام نے مدینہ والوں میں ایثار و ہمدردی اور قربانی کا جذبہ بیدار کیا اور مکہ والوں میں خود اعتمادی اور خودداری کا، انہوں نے گھر کی دولت آنے والوں کے قدموں پر ڈال دی اور آنے والوں نے دولت پر نگاہ نہ کی ،اور اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنی محنت سے کمانے کا فیصلہ کیا۔

ہمارا سر نیچا ہو جاتا ہے، جب آج کی ہجرت پر نظر ڈالتے ہیں نہ ایک طرف ایثار و ہمدردی ہے، نہ دوسری طرف خود اعتمادی اور خودداری۔

ہم کہتے ہیں کہ ذہنیت بدلنے محبت پیدا کیجئے ،ایسے دل پیدا کیجئے جو دوسروں کے غم میں گھلنے کی آرزو کریں، زمین کی تقسیم سے پہلے انسان کے اندر یہ آگ پیدا کرنی تھی کہ اس سے کسی کی

مصیبت نہ دیکھی جائے، کمیونزم انتظام اور اسٹیٹ سے کام لیتا ہے، مذہب دل کی کیفیت ایسی بناتا ہے کہ اشرفیاں سانپ بچھو معلوم ہونے لگیں، محمد رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے وہ نماز جس کے لئے آپ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، جس کے لئے آپ بے چین رہتے تھے اور بلالؓ موذن سے کہتے تھے کہ اذان دیکر میری تسکین کا سامان کرو، اسی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں لیکن اچانک گھر میں جاتے ہیں پھر واپس آ کر نماز ادا کرتے ہیں، پوچھا گیا کہ آپ کو کون سا ضروری کام یاد آیا کہ نماز چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے؟ فرمایا کہ تھوڑا سا سونا رکھا تھا، میں اسے غریبوں میں تقسیم کرنے کی ہدایت کر آیا ہوں۔

کوئی زبان غیر نہیں:

میں مسلمانوں سے کہوں گا کہ ہمت بلند کرو، تمھارا کسی زبان سے بیر نہیں، تمھیں کسی زبان سے وحشت نہیں ہونی چاہیے تم نے فارسی کو اپنایا، تم اردو کو کیوں نہ اپناؤ جو ہمارے ملک کی زبان ہے لیکن میں اپنے بھائیوں سے کہوں گا کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ انسانیت کا سدھار نہ اس زبان میں ہے نہ اس زبان میں، نہ اس کلچر میں ہے نہ اس کلچر میں، نہ اس تہذیب میں ہے نہ اس تہذیب میں، آپ انسان میں قربانی کا جذبہ نیکی کا جذبہ پیدا کیجئے، اسے انسان بنائیے، انسانیت کا احترام سکھائیے، آج انسانیت کا ضمیر بگڑ چکا ہے، وہ اپنی قوم اور اپنے ملک ہی کو دیکھنے کا عادی بن چکا ہے، سفید فام کہتے ہیں کہ بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean) سے اس طرف انسان ہی نہیں، ہر ملک کے باشندے اپنے سوا کسی کو انسان نہیں سمجھتے، ہر طرف جتھہ بندی ہے اور خود غرضی، روس کے کمیونسٹس کے سامنے ایک طبقہ کا مفاد ہے، امریکہ کے سرمایہ داروں (Capitalists) کے سامنے دوسرے طبقے کا مفاد، ایک کو سرمایہ دار نظر نہیں آتا، ایک کو کاشتکار، ایک کے نزدیک دنیا میں مزدور ہی مزدور رہیں، دوسرے کے نزدیک کاشتکار ہی کاشتکار، تیسرے کے نزدیک سرمایہ دار ہی سرمایہ دار، یہ قوم پرستی یہ تنگ نظری بڑی خطرناک چیز ہے۔

خداپرستی کی تحریک کی ضرورت:

آج خدا پرستی اور انسانیت دوستی کی تحریک کی ضرورت ہے، آج اس کے لئے ایک زبردست مہم(Campaign) کی ضرورت ہے، ایک زلزلے کی ضرورت ہے خدا پرستی کی آندھی کی ضرورت ہے، جو بڑی بڑی خودغرضیوں کے پہاڑوں کو ہلا دے، خواہشات کے ٹیلوں کو اڑا دے، شہر شہر، گاؤں گاؤں یہ کہتا ہے کہ حیوانی زندگی باقی رکھنے کے لائق نہیں مادہ پرستی کا درخت کھوکھلا ہو چکا ہے۔ نفس پرستی کا درخت جو دنیا پر چھایا ہوا ہے جڑیں چھوڑ چکا ہے انسانو! اپنی قدر پہچانو، زندہ حقیقتوں سے اپنی قسمت باندھو اللہ کی زبردست طاقت سے جڑ جاؤ۔

علم و اخلاق کے تعاون کی ضرورت:

ہم کو وہ سنیاسیت اور جوگ مطلوب نہیں جو دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم دے اور اپنی جگہ غاروں اور پہاڑوں پر تلاش کرے ہم اس روحانیت کی دعوت دیتے ہیں جو زندگی کے ساتھ چلتی ہے، بلکہ زندگی کی رہنمائی کرتی ہے، میں رجعت پسند نہیں، میں (Reaction) کا قائل نہیں انسانیت کے لئے یہ ضروری ہے اور انسانیت کا تقاضا اور اس کی مانگ ہے کہ اخلاق، علم و سائنس اور خدا پرستی مل جل کر چلیں، آج اس کا توازن بگڑ گیا، ان میں تعاون اور اعتماد (Co-Operation) نہیں رہا، سائنس ایک طرف جا رہی ہے تو اخلاق ایک طرف دونوں انتہاپسند (Extremist) ہیں۔

مادہ پرستی اور روحانیت:

یہی حال مادہ پرستی اور روحانیت کا ہے، ایک دنیا کو نگل لینا چاہتا ہے اسے پوجتا ہے ایک اس سے نفرت کرتا ہے اور اس سے بیزار ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ اسے خدا کا عطیہ سمجھ کر، اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کے قانون کے مطابق استعمال کرو، اسے اپنا غلام سمجھو، خود اس کے غلام نہ بن جاؤ، نہ اس زندگی کی پرستش کرو، نہ اس سے نفرت کرو خدا کے سامنے خود کو جواب دہ سمجھو اور اس کی عدالت کے سامنے حاضر ہونے کا اور جزا و سزا کا یقین کرو، اس کے بھیجے ہوئے بے غرض اور مخلص پیغمبروں پر اعتماد کرو اور انہیں سے اس زندگی کے اصول اور ضوابط حاصل کرو، خود کو خدا کا بناؤ، یہ دنیا تمہاری بن جائے گی۔

زبان کی آفتیں

(گزشتہ سے پیوستہ)　(امام غزالیؒ)

زبان کی ساتویں آفت:

فحش شعروشاعری جو کہ فلم میں اور تماش بینوں کی مجلسوں میں سنائی جاتی ہے اور جھوٹ کے قصے اور کہانیاں اور لطائف مزاحیہ وغیرہ یا مبالغہ کے اشعار بھی کلام فحش میں داخل ہیں' مشاعروں میں محبوب کے خدوخال ناممکن بلکہ محال حد تک جھوٹ کے پلندے ہوتے ہیں۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے منہاج العابدین میں فضول یعنی غیر ضروری گفتگو کی چار وجہ سے مذمت فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

۱۔　فضول گفتگو کراماً کاتبین (اعمال لکھنے والے فرشتوں) کو لکھنی پڑتی ہے تو انسان کو چاہیے کہ ان کا حیاء کرے اور فضول باتیں لکھنے کی تکلیف نہ دے۔

۲۔　دوسری وجہ یہ ہے کہ اچھی بات نہیں کہ لغو اور بیہودہ باتوں سے بھرا ہوا اعمال نامہ رب تعالیٰ عزوجل کے حضور پیش ہو اس بناء پر چاہیے کہ فضول گفتگو سے بچے۔

۳۔　تیسری وجہ یہ ہے کہ بندے کو قیامت کے روز کہا جائے گا کہ اپنے اعمال نامے کو اللہ تعالیٰ کے حضور تمام مخلوق کے روبرو پڑھ کر سنائے۔اس وقت حشر کی خوفناک سختیاں اس کے سامنے ہوں گی۔انسان پیاس کی شدت سے مر رہا ہوگا جسم پر کپڑا نہیں ہوگا بھوک سے کمر ٹوٹ رہی ہوگی جنت میں داخل ہونے سے روک دیا ہوگا اور ہر قسم کی راحت اس پر بند کردی ہوگی ایسے حالات میں اپنے ایسے نامہ اعمال کو پڑھنا جو فضول و بیہودہ گفتگو سے لبریز ہو کس قدر تکلیف دہ چیز ہوگی اس لئے چاہیے کہ زبان سے سوائے اچھی بات کے کچھ نہ نکالے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ بندے کو فضول اور غیر ضروری باتوں پر ملامت کی جائے گی اور شرم دلائی جائے گی اور بندے کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے شرم وندامت کی وجہ سے انسان پانی پانی ہو جائے گا۔

زبان کی آٹھویں آفت:

زبان کی آٹھویں آفت مزاح ہے یہ بھی فحش کلامی میں شمار ہوتا ہے سرکار ﷺ نے مزاح سے اپنے امتیوں کو منع فرمایا ہے البتہ خوش طبعی جائز ہے وہ بھی بطور پیشہ نہ ہو اور صداقت سے خالی نہ ہو۔ بہر حال مزاح سے ہنسی اور قہقہے پیدا ہوتے ہیں جو کہ اچھے نہیں حدیث پاک میں یہ مضمون موجود ہے کہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے بلکہ بجائے ہنسنے کے رونا اچھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس شخص سے گناہ سرزد ہو جائے وہ اس پر نادم ہو کر شرمسار ہو اور توبہ کرے بجائے اس کے الٹا ہنسے تو اس کا ٹھکانہ صرف اور صرف جہنم ہوگا جس میں روتا ہی رہے گا۔

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا آپس میں ٹھٹھا مذاق مت کیا کرو کہ اس طرح ہنسی ہی ہنسی میں دلوں میں نفرت بیٹھ جاتی ہے اور برے افعال کی بنیادیں دلوں میں استوار ہو جاتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص کسی سے مذاق کرتا ہے وہ اس کی نظر سے گر جاتا ہے۔

زبان کی نویں آفت:

استہزا اور تمسخر ہے یعنی کسی کی باتوں پر ہنسنا اس کے قول و فعل کی نقل اتارنا تا کہ دوسرے لوگ بھی ہنسیں اور اس شخص کا مذاق اڑائیں یہ دو طرح سے خالی نہیں یا تو اس شخص کی رنجیدگی کا باعث ہوگا یہ حرام ہے دوسرا یہ کلام فضول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کہ عجب نہیں ہے کہ جن پر ہنستے ہیں وہ ان ہنسنے والوں سے خدا کے نزدیک بہتر ہوں۔ مطلب یہ کہ کسی کا مذاق نہ اڑائیں اور نہ کسی کو

حقیر جانیں اور نہ حقارت کی نظر سے دیکھیں کہ ممکن ہے اللہ عزوجل کے ہاں وہی زیادہ مقبول ہو۔ جولوگ دوسروں پر استہزا کرنے کے عادی ہیں اور بات بات پر لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں قیامت کے روز ان کا مذاق یوں اڑایا جائے گا جنت کا ایک دروازہ کھول کر انہیں دکھایا جائے گا اور اندر داخل ہونے کی اجازت بھی مل جائے گی جب یہ اندر داخل ہونے لگیں گے تو اچانک دروازہ بند ہو جائے گا اور انہیں روک دیا جائے گا پھر جب واپس پھریں گے تو دوسرا دروازہ کھول کر انہیں کہا جائے گا' ادھر آؤ تمہارا دروازہ دراصل ادھر تھا جب وہ دوبارہ آئیں گے اور للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھیں گے اور اندر داخل ہونے کیلئے دوڑیں گے' پھر روک دیا جائے گا' بار بار بلا کر ان کو روکنا درحقیقت ان کی تحقیر مقصود ہوگی پھر ان کو استہزاء یاد آئے گا جو دوسروں کے ساتھ کرتے تھے۔ آج کل مزاح اور استہزاء مسلمانوں میں بہت عام ہوگیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

زبان کی دسویں آفت:

یہ آفت انتہائی خطرناک اور ہلاک کرنے والی ہے یعنی جھوٹا وعدہ کرنا یا کذب بیانی کرنا۔ حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے تین باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک بھی کسی میں ہو تو وہ منافق ہے خواہ غازی' حاجی' نمازی کیوں نہ ہو۔ ہر بات جھوٹی کہے' وعدہ پورا نہ کرے امانت میں خیانت کرے۔

وعدہ خلافی برے عملوں میں سے بدترین عمل ہے' آج کل تو بدقسمتی سے یہ رواج ہی بن گیا ہے اور آج کل کے وعدوں پر اعتبار کرنا بھی مشکل ہوگیا ہے۔ خصوصاً بعض درزی' موچی' ترکھان تو ہزاروں وعدے کرتے ہیں اور دفتر کے کلرکوں کی بات ہی نہ کرو' بہر حال سبھی نہیں لیکن اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگوں کو ٹالنے کیلئے جھوٹے وعدے کرتے رہتے ہیں آخر مجبور ہو کر آدمی بیٹھ جاتا ہے جو انسان زبان کا پختہ نہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ وعدہ ایک طرح کا قرض ہوتا ہے

جس کی خلاف ورزی ہرگز نہ کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ "بلاشبہ وہ وعدے کے بڑے سچے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان وعدہ خلافی کرے اس پر اللہ عزوجل اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اور اس کا نہ کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

وعدہ کرنے کے بعد اسے پورا کرنا اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا لازمی جزو ہے کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے اس امر کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جس شخص کے ساتھ وعدہ کیا جائے اسے پورا کیا جائے ایسا کرنے سے بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے اور وعدہ خلافی سے نفرتیں جنم لیتی ہیں کیونکہ وعدہ خلافی بھی ایک طرح کا جھوٹ ہے اور کبیرہ گناہ میں شامل ہے اس لئے اس سے بچنا نہایت ضروری ہے جب انسان وعدہ کرے تو ساتھ انشاءاللہ ضرور کہے کیونکہ اللہ عزوجل کی توفیق اور مرضی کے بغیر کوئی شخص وعدہ پورا نہیں کرسکتا۔

روایت (۱) حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایک شخص سے وعدہ فرمایا تھا کہ فلاں مقام پر ملاقات ہوگی اور پھر پورے بیس دن تک اس شخص کا وہیں انتظار کرتے رہے تاکہ وعدہ خلافی نہ ہونے پائے۔ اسی طرح تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے وعدہ فرمایا مگر وہ وعدہ کر کے بھول ہی گیا اور آپ ﷺ تین دن تک وہیں انتظار فرماتے رہے جب وہ آیا تو آپ ﷺ نے اس سے صرف یہی کہا کہ میں تین روز سے یہاں تیرا منتظر ہوں۔

زبان کی گیارہویں آفت:

جھوٹ بولنا اور جھوٹی باتیں سنانا وہ آفت ہے کہ اس کا شمار گناہ کبیرہ میں ہوتا ہے یہ وہ گندگی گھناؤنی اور بری عادت ہے کہ دین و دنیا میں جھوٹے کا کوئی ٹھکانہ نہیں جھوٹا آدمی ہر جگہ ذلیل وخوار ہوتا ہے اور ہر مجلس اور ہر انسان کے سامنے بے وقار اور بے اعتبار ہوجاتا ہے اور یہ اتنا

بڑا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان فرمادیا ہے کہ ''جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے'' اور بھی بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں جھوٹ کی برائیوں کا بیان ہے لہٰذا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ اس گناہ اور بدعات سے زندگی بھر بچتا رہے۔ بہت سے ماں باپ بچوں کو چپ کرانے کیلئے ڈرانے کے طور پر کہہ دیا کرتے ہیں کہ چپ رہو گھر میں ''ماؤں'' بیٹھا ہے یا چپ رہو کہ صندوق میں لڈو رکھے ہوئے ہیں تم روؤ گے تو سب لڈو دھول مٹی ہو جائیں گے حالانکہ نہ گھر میں ماؤں ہوتا ہے نہ صندوق میں لڈو مٹی ہو سکتے ہیں تو یاد رکھیئے یہ سب جھوٹ ہی ہے اس قسم کی بولیاں بول کر ماں باپ گناہ کبیرہ کرتے رہتے ہیں اور اس قسم کی باتوں کو لوگ جھوٹ نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ہر وہ بات جو واقعہ کے خلاف ہو وہ جھوٹ ہے اور ہر جھوٹ حرام ہے خواہ بچے سے کہو یا بڑے سے خواہ جانور سے بھی کہنا بھی حرام ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کے باعث فرشتہ اس سے ایک میل دور ہٹ جاتا ہے۔

یاد رکھیے! جھوٹ رزق کا دشمن ہے خصوصاً بعض تاجر اور دوکاندار بہت جھوٹ بولتے ہیں خدا کی قسم اس سودے میں کچھ نہیں بچا' یہ چیز میں نے اتنی قیمت میں خریدی ہے۔ یہ بھینس اتنا دودھ دیتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح لوگوں کو ہنسانے کیلئے جھوٹ لطیفے بعض واعظ اپنی تقریر کو موثر بنانے کیلئے جھوٹی من گھڑت حکایات بیان کرتے ہیں روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایک عجیب چیز دیکھی سامنے دو آدمی ہیں' ایک بیٹھا ہوا ہے' دوسرا کھڑا ہے۔ کھڑا ہوا بیٹھے ہوئے کے منہ میں ایک ٹیڑھا خمیدہ ہتھیار ڈال کر کھینچتا ہے یہاں تک کہ اس کا گال پھٹ جاتا ہے پھر دوسری جانب ایسا کرتا ہے؟ اسی طرح بار بار کرتا ہے میں نے پوچھا یہ ماجرا کیا ہے اس نے کہا جھوٹ بولنے کا عادی تھا اسے یہ عذاب دیا جا رہا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا شریعت نے تین مقامات پر جھوٹ کی اجازت دی ہے کافر یا ظالم سے اپنی جان بچانے کیلئے دوسرے اس وقت جب کہ ایک مسلمان دوسرے دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کروا رہا ہو۔

تو چاہیے کہ ایک دوسرے کی طرف سے جہاں تک ہو سکے اچھی بات کہے خواہ اس نے نہ بھی کہی ہو' تیسرے اس صورت میں کہ کسی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ہر ایک سے یہی کہے کہ مجھے زیادہ محبت تم ہی سے ہے۔

زبان کی بارہویں آفت:

لگائی بجھائی اور غمازی کرنا' جھوٹ سچ ملا کر بیان کرتے پھرنا یعنی ایک مسلمان کو دوسرے سے رنجیدہ کرنے کی کوشش میں لگے رہنا۔یعنی عام الفاظ میں اس کو چغلی کھانا کہتے ہیں منہاج العابدین میں ہے حضرت سیدنا فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک شاگرد کی نزع کے وقت تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ کر سورۂ یٰسین پڑھنے لگے تو اس نے کہا سورۂ یٰسین شریف پڑھنا بند کردو۔پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے کلمہ شریف کی تلقین فرمائی۔تو بولا میں ہرگز یہ کلمہ نہیں پڑھوں گا میں اس سے بیزار ہوں۔بس انہی الفاظ پر اس کی موت واقع ہوگئی۔ حضرت سیدنا فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے شاگرد کے برے خاتمے کا سخت صدمہ ہوا چالیس روز تک اپنے گھر میں بیٹھے روتے رہے چالیس دن کے بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے اس شاگرد کو جہنم میں گھسیٹ رہے ہیں آپ نے اس سے استفسار فرمایا کس سبب سے اللہ عزوجل نے تیری معرفت سلب فرمائی؟ اس نے جواب دیا' تین عیوب کے سبب سے (۱) چغلی (۲) حسد (۳) ایک بیماری سے شفا پانے کی غرض سے طبیب کے مشورہ پر میں ہر سال شراب کا ایک گلاس پیتا تھا۔

خوف خدا سے لرز اٹھیئے! اور گھبرا کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کر لیجئے آہ! چغلی اور حسد اور شراب نوشی کے سبب ولی کامل کا شاگرد بری موت مر کر جہنم میں جا پہنچا۔آج بدقسمتی سے چغلی اس قدر عام ہے کہ لوگوں کو شاید پتہ تک نہیں چلتا کہ میں چغل خوری کر رہا ہوں۔یعنی کسی کی بات سن کر کسی دوسرے سے اس طور پر کہہ دینا کہ دونوں میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے یا اس

طرح سمجھئے کہ آپ کے سامنے زید نے وسیم کی مذمت کی مثلاً کہا کہ وسیم میں اکڑفوں کی عادت ہے آپ نے اگر وسیم کو زید کے حوالے سے یہ بات پہنچادی تو آپ چغل خور ہو گئے ۔افسوس! چغلی کا مرض بالکل عام ہے اس سبب سے کئی گھر اجڑ جاتے ہیں بلکہ سارا ہی معاشرہ اس کے باعث تباہی کے عمیق گڑھے میں تیزی سے گرتا جارہا ہے ۔''روح البیان''میں ہے کہ بروز قیامت چغل خور بندر کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔حدیث پاک میں ہے چغل خور جنت میں نہیں جائے گا لہٰذا ہمیں چغلی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہے۔

احیاء العلوم میں یہ حدیث پاک بھی نقل ہے کہ تم لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک ناپسندیدہ وہ ہے جو ادھر ادھر کی باتوں میں لگائی بجھائی کر کے مسلمان بھائیوں میں اختلاف اور پھوٹ ڈالتا ہے ایک اور حدیث پاک میں یہ فرمان بھی ہے کہ چغل خور کو آخرت سے پہلے اس کی قبر میں عذاب دیا جائے گا۔

جوانی اور صحت مند زندگی

(محمد انور اختر)

حفظان صحت کے اصول:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عظیم نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے ایک بڑی اور اہم نعمت صحت ہے۔ صحت کی قدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کی ناقدری کر کے اکثر لوگ نقصان میں رہتے ہیں۔ ایک صحت اور دوسری فرصت۔'' (بخاری و ترمذی)

صحت کی نعمت پوری طرح موجود ہو تو انسان اپنی زندگی کے تمام افعال بخوبی سرانجام دے سکتا ہے دوسری صورت میں نہ صرف کام رک جاتے ہیں بلکہ انسان کو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ ایک اور پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا اصل جوہر اور اس کا کمال، عقل و اخلاق اور ایمان و شعور ہے اور ان چیزوں کی صحت و سلامتی کا دارومدار بھی بڑی حد تک جسمانی صحت پر ہے۔ عقل اور دماغ کی نشوونما، فضائل و اخلاق کے تقاضے اور دینی فرائض کو ادا کرنے کے لئے جسمانی صحت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے سید المرسلین و نبی الآخرین محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''طاقتور مومن بہتر اور اللہ کو زیادہ پسند ہے بہ نسبت کمزور مومن کے۔ البتہ خیر و منفعت تو دونوں ہی میں ہے۔ تم نفع دینے والی چیزوں کے حریص بنو اور اپنی مشکلات میں اللہ سے مدد طلب کرتے رہو اور ہمت مت ہارو۔'' (مشکوٰۃ)

دنیا میں مومن کا کردار:

زندگی میں مومن کو جو اعلیٰ کارنامے سرانجام دینے ہیں ان میں خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے عظیم ذمہ داری سے عہدہ برا ہونا اور نوع انسانی تک اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچانے کا

اہم فریضہ ادا کرنا سرفہرست ہے۔ان گراں بہا ذمہ داریوں کو بطرق احسن انجام دینے کے لئے بھی صحت مند ہونا انتہائی ضروری ہے۔صحت مند اور توانا افراد سے ہی زندہ قومیں منتج ہیں۔ ایسی ہی قومیں کارگاہ حیات میں قربانیاں پیش کر کے اعلیٰ مقام حاصل کرتی ہیں۔وہ خود بھی زندگی کی قدر ومنزلت کا شعور رکھتی ہیں اور دوسروں کو شعور عطا کرتی ہیں۔

پھر مومن کو ایک اور پہلو سے غور کرنا چاہئے کہ وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد نہیں رکھتے وہ جب صحت وقوت کی بے پناہ قدر کرتے ہیں تو ایک مومن کو ان کے مقابلے میں صحت وتوانائی کا بہت زیادہ طلب گار ہونا چاہئے تاکہ پیغام حق کا فریضہ ادا کرنے اور اللہ کے دین کا پیغام اور نور ہدایت دوسروں تک پہنچانے کے لئے جس قوت وطاعت کی ضرورت ہے اس سے بھرپور طریقے سے لیس ہو۔

حفظان صحت کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ نے انسان کو اپنی صحت برقرار رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے مکمل اور جامع تعلیم دی ہے۔اگر اس تعلیم کو سامنے رکھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ صحت برقرار رہتی ہے بلکہ بہترین اور عمدہ حالت میں رہتی ہے۔نیز انسان اپنی دنیاوی طبعی زندگی بھی اچھی طرح گزار لیتا ہے۔ذیل میں اس تعلیم کا خلاصہ نکات کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے۔

صحت اور پاکیزہ وحلال رزق:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پاکیزہ اور حلال زرق کھانے کا حکم دیا ہے۔"لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔تمہیں بدی اور فحش کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ (وہ اللہ نے فرمائی ہیں)۔"(البقرۃ۔۱۶۸،۱۶۹)

حلال وہ اشیاء ہیں جنہیں اللہ اور رسول ﷺ نے حلال اور ان کا استعمال جائز قرار دیا ہے اور پاک یا پاکیزہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے بدن اور عقل کو نقصان نہ دیتی ہوں۔ اس لئے وہ اشیاء جن کی حلت و حرمت کا تذکرہ قرآن حدیث میں صراحت سے یا اشارہ و کنایہ سے نہ ہوں تو ان کے استعمال میں یہ اصول ملحوظ رکھا جائے گا کہ وہ انسانی جسم و عقل کو کوئی نقصان نہ پہنچاتی ہوں۔

۲۔شریعت اور رسول اکرم ﷺ نے بعض چیزوں کے استعمال سے منع کیا ہے اور انہیں حرام قرار دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں ان حرام چیزوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ درحقیقت شریعت مطہرہ نے جن چیزوں کے استعمال سے منع کیا ہے ان میں لازماً انسان کے لئے نقصان ہے، چاہے یہ نقصان جسمانی ہو یا اخلاقی و روحانی اور چاہے ہماری محدود عقل میں یہ بات آئے یا نہ آئے بہر حال اس کے استعمال میں انسان کی جسمانی و روحانی صحت کا زیاں ہے۔ اس بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک آیت کریمہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ ''کسی مومن مرد اور کسی عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ او راس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا''۔

صحت اور اعتدال:

اسلام نے اپنے پیروکار کو زندگی گزارنے کے معاملے میں چاہے اس کا تعلق فرد سے ہو یا معاشرے سے، عدل و اعتدال کا حکم دیا ہے۔ کلمہ عدل اور اعتدال (میانہ روی) دونوں کی اصل ایک ہی ہے یعنی عدل و اعتدال ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اسلام کے عدل کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر معاملے میں عدل و اعتدال کو ملحوظ رکھے۔ اور اپنے وجود اور اپنی جسمانی قوتوں کے استعمال میں انصاف کرے۔ خورد و نوش کا معاملہ ہو یا سیاست و عدالت کا

میدان ہو۔ کسی بھی حالت میں مومن سے عدل کا دامن نہیں چھوٹنا چاہئے۔ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے کو ظلم کہا جاتا ہے۔

کھانا پینا انسان کی لازمی طبعی ضرورت ہے اور جسم کی یہ ضرورت عین تقاضائے فطرت ہے لیکن اگر اس تقاضا کی تکمیل میں اعتدال کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور زیادہ کھالیا جائے تو قرآن اسے اسراف وزیادتی قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

''اے بنی آدم، ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (سورۃ الاعراف: ۳۱)

صحت اور طہارت و نظافت:

صحت برقرار رکھنے کا گہرا تعلق طہارت و نظافت اور صفائی سے ہے۔ چنانچہ اسلام نے طہارت کا جو وسیع تصور دے کر اسے لازم اور نصف ایمان قرار دیا اور اس کی ضرورت و اہمیت بیان کی۔ یہ صرف اور صرف دین اسلام کا خاصہ ہے ورنہ تو بہت سی تہذیبوں اور مذاہب میں اس کا ہم پلہ اور ہم معنی کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔ مسلمان دن رات میں پانچ مرتبہ فریضہ نماز ادا کرتا ہے اور نماز کے لئے ہر طرح کی جسمانی طہارت فرض ہے۔ اسلام میں طہارت کا دائرہ روحانی طہارت یعنی کفر وشرک اور اخلاقی گندگی سے شروع ہو کر جسم، لباس، مکان اور اردگرد کے ماحول تک پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ان جسموں کو پاک وصاف رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں پاک کردے گا'' (طبرانی)

اور گھروں اور مکانوں کی طہارت کا حکم دیتے ہوئے آپ نے فرمایا ''اپنے صحنوں کو پاک صاف رکھو اور یہود سے مشابہت اختیار نہ کرو'' (ترمذی)

یعنی نظامت وصفائی نہ صرف جسموں اور گھروں کی ہو بلکہ اپنے ماحول اور اردگرد کو بھی صاف رکھو کہ پورا ماحول پاک صاف ہو، بیماریاں نہ پھیلیں اور لوگوں کی صحت صحیح رہے، اسلام نے

جو پا کی وصفائی کا حکم دیا ہے اس میں جسم کے تمام حصے پاک و صاف رکھنے لازم ہیں جیسے دانت، منہ، ناک، کان بول و براز کی جگہ، ہاتھ، پاؤں، چہرہ اور بال وغیرہ نیز ناخن کاٹنا، جسم کے مخفی حصوں کے بال صاف کرنا، پاک کپڑے پہننا، بوقت ضرورت غسل کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

صحت اور عبادات:

اسلام نے اپنے پیرو کاروں کو عبادت کا ایک جامع، مکمل اور بہترین نظام دیا ہے۔ اس پرعمل کیا جائے تو یہ نظام انسان کو معاشرے کا ایک بہترین فرد بنا دیتا ہے۔ اس نظام سے ایک طرف آدمی بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے تو دوسری طرف بے شمار روحانی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی، تمدنی، سیاسی اور انفرادی و اجتماعی نیکیاں اور بھلائیاں حاصل کر کے ایک کامل انسان بن جاتا ہے۔

اسلام کا نظام عبادت اپنی ہیئت ترکیبی، اس میں پڑھی جانے والی عبارتوں، دعاؤں اور اوقات کار کی وجہ سے جہاں اہم اور عظیم پہلو یعنی ادائیگی فرض کے ذریعے سے رضائے الٰہی کا حصول اور اخروی نجات کے جذبہ کا سبب ہے وہیں دنیاوی فوائد کے لحاظ سے بھی کم مفید نہیں ہے۔ عبادات کو پابندی سے ادا کرنے سے آدمی پاک و صاف، وقت کا پابند، ملنسار، خوش خلق، سماجی میل جول رکھنے والا اور صبر و تحمل کا پیکر بن جاتا ہے۔ پھر ان عبادات کے صدقے بہت سی انفرادی و اجتماعی برائیوں سے بھی بچ جاتا ہے۔ سستی و کاہلی، بری صحبت، بداخلاقی، غیبت جھوٹ، بدگوئی، فحاشی و بے حیائی، منشیات اور دوسری بہت سی علتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

عبادات کا برائی سے بچانے کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ:

''بے شک نماز برائی اور بے حیائی (کے کاموں) سے روکتی ہے۔'' (عنکبوت)

ان حقائق کی روشنی میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ انسان اپنی صحت و تندرستی کی حفاظت اور بحالی، عبادات سے نہایت بہترین طریقے سے کر سکتا ہے۔

جسم ایک امانت:

شریعت مطہرہ نے انسان کو یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ اس کا وجود انسان کی اپنی ملکیت نہیں ہے بلکہ امانت خداوندی ہے۔لہٰذا اس امانت کی حفاظت کرنا، اسے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق استعمال کرنا، اس سے وہ کام لینا جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے اور اسے نقصان وزیاں سے بچانا لازم ہے۔یہی وجہ ہے کہ خودکشی کرنا حرام موت مرنا ہے۔اسی طرح جسم کو کسی دوا یا منشیات سے نقصان پہنچانا بھی حرام ہے۔ارشاد ربانی: ''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔''(الاعراف ۳۱)

جسم کے حقوق:

حضور اکرم ﷺ نے جسم کے حقوق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''بے شک تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے۔'' دوسری روایت میں ہے۔''بے شک تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔''
رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہر ایک مومن کے لئے اعلیٰ رہنمائی ہے کہ نفس کا تم پر حق ہے اور جسم کا بھی تم پر حق ہے۔پس نہ نفس جسم کی حق تلفی کرے اور نہ جسم نفس کا حق چھینے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ مومن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے جسم کو بیماریوں اور تکالیف سے بچائے اور جو چیزیں اسے نقصان پہنچائیں ان سے پرہیز کرے۔انسانی جسم کے محنت اور کام کرنے کی ایک حد ہوتی ہے سو اس حد سے نہ بڑھنا چاہئے۔نیز اسے آرام و راحت بھی پہنچانا چاہئے تاکہ وہ تر و تازہ ہو کر انسانیت کی خدمت کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے جسم و جان کو ایذا پہنچانے کو حرام قرار دیا ہے۔نیز اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جسم کو بیماریوں اور آفتوں سے بچائیں، اسے کمزور کرنے سے پرہیز کریں۔اسے پاک

وصاف رکھیں، صحت مند رکھیں، اس پر طاری ہونے والی بیماریوں کا علاج کریں، اس کی وضع قطع درست رکھیں اور اس کی بساط کے مطابق کام لیں۔

صحت اور ورزش و کسرت:

اسلام نے اپنے پیروکار کو جسمانی و مادی قوت حاصل کرنے، ورزش کر کے اپنی قوت بڑھانے اور سامان حرب و دفاع تیار کرنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کی تاکید کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ:

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے تیار رکھو تا کہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے'' (سورۃ الانفال:٦٠)

حضور اکرم ﷺ نے اس آیت میں آمدہ کلمہ قوہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ''سنو طاقت نشانہ بازی ہے، سنو طاقت نشانہ بازی ہے۔'' (مسلم)

نبی ﷺ ہمیشہ سادہ اور مجاہدانہ زندگی گزارتے تھے اور ہمیشہ اپنی قوت کی حفاظت کرنے اور بڑھانے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ تیرنے سے دلچسپی رکھتے تھے اس لئے کہ تیرنے سے جسم کی بہترین ورزش ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ اور صحابہؓ کی زندگیوں سے ہمیں کتنے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نیزہ بازی، تیراندازی اور دوسرے جسمانی کرتب کے مظاہرے نہ صرف خود دیکھے بلکہ اپنی ازواج مطہرات کو بھی دکھائے۔ پھر نوجوانوں کی کشتیاں کرائیں اور دوسرے فنی مظاہرے کرائے، ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو صحت مند، طاقتور، چست اور زندگی کے میدان میں کارآمد فرد دیکھنا چاہتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ مریل چال چل رہا ہے۔ آپؓ نے اسے روکا

اور پوچھا: تمہیں کوئی بیماری ہے؟ اس نے کہا: کوئی بیماری نہیں ہے۔ اس پر آپؓ نے اپنا درہ اٹھایا اور اس کو دھمکاتے ہوئے کہا "راستہ پر پوری قوت کے ساتھ سیدھے چلو، اسلام بیمار نہیں ہے۔" خود حضور اکرم ﷺ جب چلتے تو پوری قوت سے چلتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کہتے تھے کہ جب آپؐ چلتے تو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آپؐ اونچائی سے ڈھلوان کی طرف اتر رہے ہیں۔

بے حیائی اور برائی سے پرہیز اور صحت:

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو برائی اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے کیونکہ یہ انسانی صحت کے لئے نقصان دہ ہیں اور ان سے طرح طرح بیماریاں لگتی ہیں اور آگے پھیلتی ہیں، جیسے زنا کا فعل ہے۔ اسلام نے زنا سے نہایت سختی سے منع کیا ہے۔ ارشاد باری ہے: "اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کیونکہ بے حیائی کا کام ہے اور بری راہ ہے۔" (الاسراء۔۳۲)

زنا بہت سی برائیوں اور لاعلاج بیماریوں کا سبب ہے۔ اس سے پرانے زمانے سے آتشک اور سوزاک جیسی موذی بیماریاں لگتی رہی ہیں۔

ہم کہاں کھڑے ہیں!

(عبدالرشید ساھی)

موجودہ عالمگیر مادّہ پرستانہ تہذیب کے ظاہر فریب پردوں کے پیچھے جھانک کر انسانیت کا جائزہ لیں تو وہ حال زار نظر آتا ہے کہ روح کانپ جاتی ہے پوری اولاد آدم کو چند خواہشات نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہے۔ اور ہر طرف دولت واقتدار کے حصول کے لئے ہاتھا پائی ہو رہی ہے آدمیت کے اخلاقی شعور کی شمع گل ہو چکی ہے۔ جرائم تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھ رہے ہیں نفسانی الجھنوں کا زور ہے اور ذہنی سکون یکسر غائب ہو چکا ہے۔ انسانی ذہن اور کردار میں ایسا بنیادی فساد آ گیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی منحوس چھاؤں سے محفوظ نہیں رہا۔ فلسفہ و حکمت سے سچائی کی روح کھوگئی ہے۔ بلکہ روح تو کہیں نظر ہی نہیں آتی وہ روح جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم قرار دیا ہے وہ تو اب کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

تیرا تن روح سے ناآشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

روحانی قدریں چوپٹ ہو چکی ہیں اکثر درسگاہیں جو روحانی تربیت کا مرکز ہوا کرتی تھیں، ہوس زر کا شکار ہو چکی ہیں۔ قانون روح عدل سے خالی ہو رہا ہے۔ علم بڑھتا جارہا ہے اور ساتھ ساتھ جرائم بھی بڑھ رہے ہیں۔ اعتقادات ونظریات میں توازن نہیں رہا ہے فرقہ بندی اور ذات پات کی تفریق نے معاشرہ میں انتشار ڈال رکھا ہے۔ میرے مرشد کریم جناب محمد صدیق ڈارؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ فروعی مسائل کو نفرت اور دشمنی کا

روپ دے رکھا ہے جہاں کہیں بھی رحمت عالم، نبی مکرمﷺ کی ذات نے جو کوئی بھی ادا اختیار کی وہ قیامت تک کیلئے امر ہو چکی، آپﷺ تو ربّ کریم کے محبوب رسولﷺ ہیں اور محبوب ہوتا ہی وہی ہے جس کی محبّ کو ہر ادا حسین نظر آئے ۔لہٰذا یہ ساری ادائیں محبوب کی قیامت تک کیلئے امر ہو چکی ہیں ۔آپ ان کو مٹا نہیں سکتے ۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا ، زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے یہ عالمگیر دین ہی قیامت تک چلے گا۔لیکن جو دین ہم نے اختیار کر رکھا ہے یہ مولا مرضی کا دین نہیں بلکہ یہ من مرضی کا دین ہم نے اپنا رکھا ہے ۔اللہ کا قرآن اور رحمت عالمﷺ کا فرمان علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر کے
دہر میں اسم محمدﷺ سے اُجالا کر دے

کیسا دین ہم نے اپنا لیا ہے جس میں بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے ۔اولادیں بے حیا اور نافرمان ہیں، انسانیت کا احترام ختم ہو چکا ہے ۔سیاست میں جذبہ خدمت کی جگہ اغراض پرستی گھس گئی ہے ۔جنسی جذبوں اور سفلی خواہشوں نے معاشرہ کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے اخبارات ، رسائل اور تمام میڈیا، فحاشی ،عریانی اور بے حیائی کو فروغ دے رہا ہے حکومتیں بھی ان کا قبلہ درست کرنے میں بے بس نظر آتی ہے ۔عقل ترقی کر گئی ہے مگر اس کی حماقتیں ہمارے درپے آزاد ہیں ۔تعلیم بہت ہے علم کے سوتے اُبل رہے ہیں مگر اس کی پروردہ جہالتوں کے ہاتھوں آدم ذات کی ناک میں دم ہے ۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ
املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لئے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ

دوستو! دین اسلام تو دین محبت ہے اس میں تو تشدد کا شائبہ تک نہیں۔ ایسے حسین وجمیل رسول ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ساری زندگی انہوں نے گالی کے بدلے گالی اور پتھر کے بدلے پتھر کا جواب نہیں دیا۔ ہم معاشرہ میں فساد برپا کر کے معاشرہ کا سکون برباد کر کے کس غلامی رسول ﷺ کی غلامی کا دعویٰ کر رہے ہیں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں؛

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

زندگی میں چاروں طرف چھائے ہوئے اندھیروں کو دور کرنے کیلئے ایک ہی مشعل کامیاب ہے۔ وہی مشعل جو کہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن حضرت محمد ﷺ رسول اللہ نے روشن فرمائی۔ دنیا وآخرت میں کامیابی کا ایک ہی راستہ ہے جو کہ رحمت عالم ﷺ نے اپنایا۔ اور اپنے وفاداروں کو سکھایا۔ بڑے ستم کی بات ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی عملی زندگی کی تصویر کو ہماری نگاہوں سے گم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سرور عالم ﷺ کی محبت وعقیدت کے زبانی کلامی جو دعوے ہو رہے ہیں عملی تفسیر نگاہوں سے اوجھل ہے۔

وہ دانائے سبل، ختم رسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

خلافت ،ملوکیت اور آفاقیت

(کے ایم اعظم)

اسلام کا انقلاب دنیا کے عظیم ترین انقلابوں میں سے تھا، مگر اس کا طریق کار روایتی انقلابوں جیسا نہ تھا، کیونکہ اس نے قبل از انقلاب کے حکمران طبقہ کو تہ تیغ کرنے کی بجائے اسلام میں شامل کرلیا تھا اور عام معافی کا اعلان کردیا تھا۔ ہرچند کہ اکابر صحابہ کرام نے فتح مکہ پر فرمایا تھا کہ آج بدلہ لینے کا دن ہے، مگر رسول عالی مرتبت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، آج عفو و درگزر کرنے کا دن ہے۔ بے شک رسول اکرم ﷺ حق بجانب ہوتے اگر وہ سب دشمنان اسلام کی گردنیں اڑانے کا حکم صادر فرمادیتے اور ان کی تمام دولت بحق اسلام ضبط فرمالیتے۔ مگر نبی رحمت ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ مکہ کے مشہور زمانہ تاجروں کا تجارتی اور انتظامی تجربہ، کثیر سرمایہ اور فن سپہ گری اسلام کی خدمت میں mobolize کرلیا۔ بہرحال نتیجتاً اسلامی معاشرہ میں اوائل سے ہی دو طبقات موجود رہے جو سیدنا عمرؓ کی شہادت کے بعد فتنۃ الکبریٰ میں منتج ہوئے۔ ایک طبقہ مکہ کے زیادہ تر اُموی اُمراء کا تھا، جو اسلام کے آنے سے پہلے بھی مالدار اور طاقتور رہتے اور جنہوں نے فتح مکہ پر اسلام قبول کرلیا تھا اور جن کی دولت اور عزت ساری کی ساری اسلام ہی کی وجہ سے تھی۔ تاریخ اسلام پہلے طبقہ کو طلقاء اور دوسرے طبقہ کو اہل ایام کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اگر ہم اس طبقاتی تفریق کو نظر انداز کردیں گے تو ہم اسلامی تاریخ کے اہم واقعات کو پوری طرح سے سمجھنے سے قاصر رہیں گے، مثلاً سیدنا عثمانؓ کے خلاف بغاوت، جنگ جمل، جنگ صفین، سانحہ کربلا، اہل بیت کی عقوبت اور اکابر صحابہ کرامؓ سے بدسلوکیاں۔

ہم اخلاقی طور پر پست ہونے کے باوجود ہم عینیت پسندی میں بہت آگے بڑھے رہتے ہیں۔ اس کی ایک تاریخی وجہ یہ ہے کہ ہندومت کے اشرف 'اوتار اور بھگوان ہوتے تھے جبکہ اسلام میں فقط ایک نبی علیہ السلام ہی معصوم ہوتا ہے یا پھر فقہ جعفریہ کے مطابق چند گنے چنے امامؑ جبکہ باقی

سب افراد مائل بہ عصیاں انسان ہوتے ہیں۔ یہ اسی رویہ کی وجہ ہے کہ ہمیں اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ جہاں تک اسلام کے مثالی دور کا تعلق ہے تو اس دور کا تو کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا جس میں حضور اکرم ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے۔ حضور ﷺ کا مدنی دور دس سال کا ہے اس کے بعد شیخین کا بارہ سالہ دور ہے، جس میں سیدنا عمرؓ کی شخصیت اور دبدبے نے مسلمانوں کو راہ راست پر رکھا۔ ایک بار جب کچھ افراد نے حضرت عثمانؓ کو یاد دلایا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا ہم میں سے کون ہے جو عمرؓ کا مقابلہ کر سکے۔ اس طرح رسول اکرم ﷺ اور شیخین کا 22 سالہ دور ہے یا پھر خلافت راشدہ کے 30 سال لے لیں تو کل 40 سال بنتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی تاریخ صرف 22 سال کا دور یا پھر 40 سال کا دور ہے جسے مثالی کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال اسلام کا مثالی دور تو دیرپا ثابت نہ ہوا، مگر دنیاوی جاہ و جلال کے میدان میں اُموی اور عباسی خلافتوں نے مسلمانوں کے اقتدار کا ستارہ عروج پر پہنچا دیا۔ اموی اور عباسی سلطنتوں سے بڑی سلطنت دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی اور مسلمانوں کی ہفت اقلیم، خلافت عثمانیہ کی شکل میں اس صدی کے شروع تک قائم و دائم رہی۔ یہ اسلام کی ملوکیت ہی کا ثمر ہے کہ آج ہم ہندی الاصل لوگ مسلمان ہیں ورنہ شاید مثالی اسلام جزیرہ نما عرب تک ہی محدود ہو کے رہ جاتا۔ اسلام کا خوبصورت خواب سیدنا عمرؓ کی شہادت اور ملوکیت کے غلبہ کے نظر ہو کے رہ گیا۔ اسلام کی عالمگیر اُخوت انسانی اور احترام آدمیت کا خواب آج بھی اپنی تعبیر کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ: ”اسلام تکمیل نہیں، بلکہ ایک تمنا اور آرزو ہے“۔ بے شک اسلام بطور ایک دین کے مکمل و کامل ہے مگر اس کا مشن ابھی پورا ہونا باقی ہے ویسے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کا مشن تو قیامت تک جاری و ساری رہے گا ہی۔ اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ دور حاضر کے مسلمان کب اور کیسے اس خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔

اسلام نے ایک انقلاب آفرین سبق جو انسانیت کو دیا ہے، وہ یہ ہے کہ اصل معجزہ معصومیت یا پیدائشی ولی ہونے میں نہیں ہوتا۔ اصل معجزہ یہ ہوتا ہے کیسے نبی کی تربیت اور نظر کرم عہد جاہلیہ کے

ایک اکھڑ سردار کو شہکار نبوت بنا دیتی ہے اور کیسے ایک ڈاکو کو ولی اللہ۔آج کی جمہوریت، جس کا اصل کام لوگوں کے دل موہ لینا ہونا چاہئے تھا، ایسا کرنے نہیں پائی اور ہمارا نظام تعلیم وتربیت وہ افراد پیدا نہ کرسکا جن کی آرزو اور تمنا ہم میں سے ہر کوئی اپنے دل میں لئے ہوئے ہے۔

ہمارا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے یقینی مقاصد اور زمینی حقائق میں خلیج بہت ہی بڑی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ نظام خلافت تو اس دنیا میں ایک بار ضرور قائم ہو کے رہے گا، مگر یہ وہ لوگ قائم کریں گے، جنہیں رسول عالی مرتبت ﷺ نے اپنا بھائی کہا ہے۔ہم اس کو قائم کرنے کے اہل نہیں ہیں۔زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے دور ملوکیت کی اچھی اچھی باتیں مثلاً منصفانہ حکومت(Good Governance) کو اپنالیں۔

اس سلسلہ میں ہمیں ہندوستان میں مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دور حکومت پر خصوصی غور و خوض کرنا چاہیے۔ایک طرف تو بقول علامہ اقبالؒ: ''شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے''۔(خطبہ الہ آباد) تو دوسری طرف مسلمان حکمران اتنے وسیع وعریض ملک میں آٹھ سو سال پر محیط ایک ایسا کثیر النسل وعقیدہ معاشرہ (Plural Society) قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہندوستان میں اپنی کثیر التعداد رعایا کے ساتھ مسلمان حکمران کا میل جول عدل و انصاف و رواداری اور مروت وشفقت پر مبنی تھا اور ہندو ان کے مداح اور قدر دان تھے بلکہ ان پر فدا تھے۔ ہندو سپاہی اور سپہ سالار مسلمانوں کی طرف سے ہندو راجاؤں کے خلاف بے مثال جانفشانی اور دلیری سے لڑتے۔محمود غزنوی سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک مسلمان بادشاہوں کے نمایاں سپہ سالار راجپوت مہاراجے تھے۔بقول ڈاکٹر تاراچند ''یہ(مسلمان) بلند مرتبہ لوگ تھے'' بقول پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام ''جو ہندو مسلم معاشرہ صلح وآشتی اور محبت ومروت کی اساس پر مسلمان حکمرانوں نے قائم کیا تھا، اس کی دو بنیادیں تھیں۔ایک مسلمان فاتحین کی عسکری اور دوسری ان کی اخلاقی قوت۔عسکری قوت سے وہ اپنے مخالف ماحول میں قائم رہے اور اخلاقی

قوت سے انہوں نے اسلامی تہذیب وتمدن،تصوف و مذہب اور علوم وفنون کی نشر واشاعت کی۔ ان اعلیٰ علوم وفنون نے ہندو معاشرے کو ہر اعتبار سے تبدیل کردیا"(اقبال اور ملی تشخص، بزم اقبال)

ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج کا باعث ان کا اخلاق، رواداری اور موت سے نہ ڈرنا تھا اور ان کے زوال کا باعث ان کا اخلاقی انحطاط اور وہن یعنی دنیا سے محبت اور موت کا ڈر تھا۔اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے انگریز حکمرانوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ سر زمین ہند میں ہندو مسلم نفرت کے بیج بو دیئے، یہاں تک کہ مسلمان عہد کی آٹھ سو سالہ تاریخ کو ہی مسخ کر دیا۔اس افسوس ناک حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے 29 جولائی 1977ء کو ہندوستان کی راجیہ سبھا میں ڈاکٹر بی۔این پانڈے (سابقہ گورنر اوڑیسہ سٹیٹ) نے ایک پر جوش تقریر میں حکومت ہند سے اپیل کی کہ وہ ہندوستان کی تاریخ کو درست کر کے پیش کرے، تاکہ ہندوستان کی آنے والی نسلیں مستقبل سے ایک صحیح ذہنی رخ کے ساتھ نبرد آزما ہو سکیں۔بات سمجھنے کی یہ ہے کہ پاکستان کی سر زمین ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی جان نشین ریاست ہے۔عرب کہتے ہیں اسلام ہماری زندگیوں کا ایک قدرتی حصہ ہے۔یہ ہمارے لئے ایسے ہے جیسے کھانے میں نمک۔ ہمارے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اب تو ہم میں اپنے دین کی نسبت سے خود اعتمادی آ جانی چاہیے اور ہمارا یہ خوف جاتا رہنا چاہیے کہ کوئی ہم سے اسلام چھین لے گا بلکہ ہمیں اسلام کے آفاقی پیغام کا علمبردار بن جانا چاہیے، جیسا کہ بانیان پاکستان کا مطمع نظر تھا۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا ہدف فقط اسلامی ریاست کا قیام نہیں، بلکہ اس کے ذریعہ اسلامی عینی مقاصد، سچائی، انصاف، مساوات اور انسانی فلاح کو حاصل کرنا ہے۔بے شک ہمیں دنیا پر ابھی یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم وہ بہترین امت ہیں، جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے دنیا میں لایا گیا ہے۔پس ہمارا عقیدہ کٹر لفظی بنیاد پرستی یا بے لچک تقلید کا نہیں بلکہ تخلیقی جدوجہد کا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے نظام فکر کو صحیح لائینوں پر استوار کریں۔ اس سلسلے میں جس شے کا ہمیں سب سے پہلے فیصلہ کرنا ہوگا وہ یہ ہے کہ آیا ہمارا مطمع نظر فقط اسلام

ہے یا فقط مسلمان یا پھر دونوں۔ پہلے اختیار میں مسلمانوں کو اسلام پر قربان کر دیا جائے جیسا کہ ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی نفاذ اسلام کی آخری صورت یہ بتلاتے ہیں کہ "مسلمانان پاکستان کروڑوں کی تعداد میں ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہوں اور پھر ہندو اسلام لے آئیں۔ جیسے تاریخ میں ایک موقعہ پر تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے، لیکن پھر اسلام نے تاتاریوں کو فتح کر لیا۔ اسی طرح اب بھی اسلام ہندو کو فتح کر سکتا ہے" (ماہنامہ میثاق اپریل 1996ء)

دوسرے اختیار میں مسلمانوں کی خاطر اسلام کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ جیسے کہ ہمارے مغرب زدہ، فرنگی گزیدہ، آزاد خیال دانشور چاہتے ہیں۔ بے شک تیسرا اختیار ہی ہمارا مطمع نظر ہونا چاہئے جس کے تحت اسلامی نظام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہوگا اور مسلمان اسلام کے آفاقی پیغام کے علمبردار۔ پاکستانی مسلمانوں کا ایک بڑا تضاد یہ ہے کہ چاہتے تو وہ دنیاوی سرفرازی ہیں مگر جھنڈا اللہ ہی کا اٹھانا چاہتے ہیں اور ہماری یہ مجہول کوشش دونوں اللہ تعالیٰ اور مغرب کو ہمارا دشمن بنا دیتی ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے معتبر دینی زعما جو عوام کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے نسخے بتاتے ہیں بذات خود اس فضیلت سے بہرہ مند نہیں۔

اسلام کا بنیادی تصور صحیح سمت اور درست جہت کا تعین ہے کیونکہ بنیادی دینی تصورات کے رخ میں ذرا سا فرق بالآخر تمام کے تمام دینی نظام فکر کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ شاید اس خطرے کے پیش نظر اللہ سبحان وتعالیٰ نے، باوجود اس کے کہ وہ ہر رخ پر موجود ہے، مسلمانوں کے لئے عبادات اور فکر کا ایک ہی رخ متعین کیا ہے، جس کی کرہ ارض پر علامت کعبہ مکرمہ ہے، جو تمام مسلمان عالم کا قبلہ ہے۔ یہ رخ محض ایک رسم کے طور پر ہی متعین نہیں کیا گیا، بلکہ اس کا ایک گہرا روحانی مفہوم ہے۔ ہر مسلمان کو قرآن کریم کے کلی پیغام کو سمجھتے ہوئے، زندگی کے ہر شعبہ، اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور سیاست میں ایک مخصوص صالح انداز کو اپنانا چاہئے۔ اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک صالح انسان کا طرز عمل اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔

اگر ہماری روحانی سمت ہی درست نہ ہوگی تو پھر ہمارے سارے کے سارے اعمال اور دینی مساعی رائیگاں جائیں گی اور دنیا کا ہر ضابطہ اور قانون بیکار ہو کے رہ جائے گا۔ قبلہ کی درستگی کا مطلب یہ ہے کہ ہماری سوچ نہ صرف محدود دینی اور مذہبی امور میں ہی درست اور صحیح ہو بلکہ بڑے بڑے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں بھی صحیح اور وسیع ہو۔

مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ قرآن مجید کی فقط چند ایک آیات پر ہی انحصار کر کے اپنا اپنا اُلو سیدھا کیا گیا اور مختلف دینی زعماء نے مختلف عہدوں میں قرآن مجید ہی سے سرمایہ داری، اشتراکیت، زمینداری، جاگیرداری، ملائیت اور عسکریت کا جواز ڈھونڈ نکالا بلکہ خود پرستی کا یہ عالم رہا کہ اپنے اپنے سیاسی لائحہ عمل کو بھی قرآن ہی سے ماخوذ کیا گیا۔ اسلام کے نام پر اس سیاسی مفاد پرستی نے اسلام کو بالخصوص گزرے ہوئے سامراجی دور میں، ایک عضو معطل بنا کے رکھ دیا۔ آج بھی فہم قرآن کے اس جزوی میلان اور دینی اکابرین کے ذاتی مفادات نے اسلام کو سیاسی اور مسلکی تنازعات میں گھیر رکھا ہے اور اس کی ہمہ گیر قوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس کے باوجود اپنے اپنے ناقص فہم قرآن اور اسلام کی مسخ شدہ تصویر پر ان دینی امراء کو زعم یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کا ہمہ وقت حامی و ناصر ہوگا۔ حالانکہ ایک عرصہ دراز سے اللہ تعالیٰ نے ان پر خواری و مسکنت مسلط کر رکھی ہے گو وہ اس سے بے خبر ہیں۔ یہی دینی اکابرین گر چاہیں تو اللہ جل جلالہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر اور قرآن کے بنیادی تصورات، توحید، تقویٰ، عدل و احسان، مساوات و مواسات، میانہ روی، رواداری اور باہمی مشاورت کو اپنا کر کامیاب و فتح یاب ہو سکتے ہیں۔

اسلام کا امتیازی نشان اس کا توحید پر خصوصی زور ہے۔ بے شک توحید ہی باری تعالیٰ کا وہ ازلی اور فطری دین اسلام ہے جو کہ اس کا ہر رسول دنیا میں لے کر آیا ہے۔ توحید ہی وہ بنیادی تصور ہے، جس سے تھوڑا سا انحراف بھی، ہر قسم کی معاشرتی برائیوں کو جنم دیتا ہے، اس مرکزی تصور سے ذرا سی روگردانی ہی طاغوتی طاقتوں کو سر اٹھانے کا موقعہ دیتی ہے۔ جن کے زیر اثر نہ تو مہذب معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت ہو سکتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

''اسلام کو دین فطرت کے طور پر Realise کرنے کا نام تصوف ہے اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کیفیت کو میں نے emancipation سے تعبیر کیا ہے'' (انوار اقبال)

ہم شریعت اور روحانیت میں درمیانہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے متشدد رویہ اپنائے رہتے ہیں یا تو شرک کی حدود کو چھونے لگتے ہیں یا پھر روحانیت کے لئے بے ادبی کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں، حالانکہ ایسا کرنے کا کوئی جواز ہمارے پاس نہیں ہوتا۔ ہمارے کچھ علما تصوف کے اعلیٰ اخلاقی معیار سے خائف ہو کر بھی اس کی مخالفت کا جواز ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

دراصل ہمارے علماء کی خود پرستانہ اور ذاتی مفادات کی طرف مائل تفسیریں اور فقہی ترجیہات موجودہ دور کے بڑے بت ہیں مختلف دینی جماعتوں اور تحریکوں کا یہ رویہ امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور اصل میں یہی فساد کی جڑ ہے۔ ہر جماعت صرف اپنے آپ کو دین کا سچا محافظ خیال کرتی ہے اور ان جماعتوں کے کارکنوں کا خودستائی و پارسائی کا مغرورانہ رویہ مسلم عوام کو اپنے دین سے دور کر رہا ہے۔ شاید ہمارے ایسے ہی زعما کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں اور عوام سے جھوٹے وعدے فرما کے اپنے آپ کو اور اپنے دین کو بدنام کرتے ہیں۔ اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں وہ اہداف اور اسباب میں تمیز کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور ان کو اس امر کا بھی شعور نہیں کہ باری تعالیٰ پر ایک پرجوش ایمان کی حدت سے اسباب پگھل کر اللہ والوں کے قدموں میں آ گرتے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کارکشا، کارساز

اقبال شناس، این میری شمل کی یاد میں

(فہد محمود بخاری)

پروفیسر ڈاکٹر این مری شمل مغرب کے ان مستشرقین کے برعکس جو اسلام میں خامیاں اور اس کا مغربی تہذیب سے تصادم تلاش کرتے رہتے ہیں، اسلام اور مشرق کی ایسی سکالر تھیں، جنہوں نے اسلام کا مطالعہ اور تحقیق اس کے تخلیقی جوہر اور دانش کو ڈھونڈنے کے لئے کیا۔ وہ 1922ء میں پیدا ہوئیں۔ برلن یونیورسٹی میں عربی، فارسی، ترکی زبانوں اور اسلامی فنون کا مطالعہ کیا۔ 19 سال کی عمر میں اسلامیات میں ڈاکٹریٹ کی۔ دوسری جنگ عظیم تک دفتر امور خارجہ میں مترجم رہیں۔ 1951ء میں پی ایچ ڈی کی دوسری ڈگری لی۔ 1954ء میں انقرہ یونیورسٹی میں چلی گئیں اور وہاں تاریخ مذاہب کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ 1961 میں ان کی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے انہیں "ستارہ قائداعظم" سے نوازا۔

وہ سندھی ادب پر بھی متعدد تنقیدی کتب لکھ چکی ہیں۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے رسالے کا جرمن میں منظوم ترجمہ کیا۔ 1983ء میں صدر پاکستان کی جانب سے انہیں "ہلال امتیاز" دیا گیا ڈاکٹر شمل صاحبہ نے وصیت لکھی تھی کہ ان کی وفات کے بعد انہیں مکلی کے قبرستان میں سندھی دانشور پیر حسام الدین راشدی کے پہلو میں دفنایا جائے۔

اسلامی تہذیب کی یہ معروف سکالر این مری شمل منگل کو 81 برس کی عمر میں جرمنی کے شہر بون کے ایک ہسپتال میں انتقال کر گئیں۔ گزشتہ دنوں وہ بستر سے نیچے گرنے سے علیل ہوگئی تھیں۔ این مری شمل 1958ء سے متعدد بار پاکستان آتی رہیں اور پاکستان کو اپنا دوسرا گھر قرار دیتی تھیں۔ انہوں نے پاکستان میں اقبالیات، تصوف اور علوم مشرقیہ پر متعدد لیکچر دیئے۔

انہیں جرمن زبان کے علاوہ عربی، فارسی اور ترکی سمیت متعدد مشرقی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ انہیں پاکستان کی علاقائی زبانوں سندھی، سرائیکی اور پنجابی سے بھی شغف تھا۔ این مری شمل

سو سے زیادہ کتابوں کی مصنف تھیں اور ہاورڈ یونیورسٹیوں میں تدریس کرتی رہیں۔ 1953ء سے وہ انقرہ یونیورسٹی میں بھی پانچ سال تک وابستہ رہیں۔اس دوران انہوں نے ترکی زبان میں کتب لکھیں اور علامہ اقبال کے کلام "جاوید نامہ" کا ترکی میں ترجمہ کیا۔

ان کی بیشتر کتابیں اور مضامین تصوف کے موضوع پر ہیں۔انہوں نے علامہ اقبال کی شاعری کے مجموعوں بانگ درا، پیام مشرق اور جاوید نامہ کا جو جرمن زبان میں ترجمہ کیا انہیں جرمن ادب میں ایک بڑا مقام حاصل ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے مسلمان مفکروں اور شاعروں کی سینکڑوں کتابوں کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔ان کا گھر اسلام کے نایاب مخطوطوں سے بھرا ہوا تھا، جن میں سے بہت سے نسخے انہوں نے بون یونیورسٹی کو دے دیئے۔انہوں نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام پر بھی ایک گراں قدر کتاب لکھی۔

این مری شمل نے علامہ اقبال کے مذہبی خیالات کے مطالعہ پر مبنی ایک کتاب "جبرائیل کے پر" کے عنوان سے لکھی جسے اقبالیات میں ایک اہم کتاب شمار کیا جاتا ہے۔پاکستان حکومت نے انہیں اقبالیات پر ان کے کام کے اعتراف میں 1988ء میں عالمی صدارتی اقبال ایوارڈ دیا۔این مری شمل کی انگریزی اور جرمن شاعری کے دو مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں جس سے ان کی تخلیقی اور دانشورانہ تنوع کا پتا چلتا ہے۔

ان کی خدمات کے اعتراف میں دنیا کے بہت سے اسلامی اور مغربی ملکوں نے انہیں لاتعداد انعامات سے نوازا۔پاکستان حکومت نے 1983ء میں انہیں ہلال امتیاز اور بعد میں ستارہ امتیاز دیا۔ لاہور میں نہر کے ساتھ ساتھ چلنے والی سڑک کو عظیم جرمن شاعر گوئٹے کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ جبکہ نہر سے پار ایک سڑک این مری شمل کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔جس کے بارے میں وہ ازراہ مذاق کہا کرتی تھیں۔"پاکستانیوں نے میرے مرنے کا بھی انتظار نہیں کیا" پاکستان حکومت نے ان کے نام سے ایک سکالرشپ بھی قائم کیا۔

معروف صحافی اور دانشور خالد احمد کا کہنا ہے کہ این مری شمل کی پہلی محبت پاکستان تھا اور

پاکستان نے اس محبت کا بھرپور جواب دیا۔ وہ اپنی نجی محفلوں میں بہت محبت سے اپنے پرانے دوستوں کو یاد کرتی تھیں۔ این مری شمل کو سندھ کی دانشورانہ روایات اور تہذیب سے بھی بہت لگاؤ تھا اور وہ عظیم سندھی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کی مداح تھیں۔

اکادمی ادبیات کے چیئرمین افتخار عارف کا کہنا ہے کہ این مری شمل فنافی العلم خاتون تھیں اور موجودہ عہد میں عظیم ترین اقبال شناس تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عبداللطیف بھٹائی" جلال الدین رومی" منصور حلاج، رحمان بابا اور دیگر صوفی شعراء پر ان کا کام بنیادی حوالہ رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ این مری شمل نے خطاطی کی مسلم روایت اور علم الاعداد پر بھی گرانقدر تحقیقی مقالے لکھے۔

(این میری شمل نے قبلہ انصاری صاحبؒ کی کتاب تعمیر ملت کا مطالعہ کیا اور بابا جان انصاریؒ سے ملاقات کا شوق ان کو لاہور لے آیا۔ انصاری صاحبؒ کی تعلیمات اور افکار سے بہت متاثر ہوئی اور واپس جرمنی جا کر سلسلہ کی تعلیمات پر ریسرچ کی۔)

دعائے مغفرت

چیچہ وطنی سے بزرگ بھائی محمد حسین کے بھائی طالب حسین

آدمکے چیمہ سے بھائی جاوید بٹ کے سسر

گوجرانوالا سے بھائی بشیر بٹ صاحب کے ہم زلف اور بھانجی

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
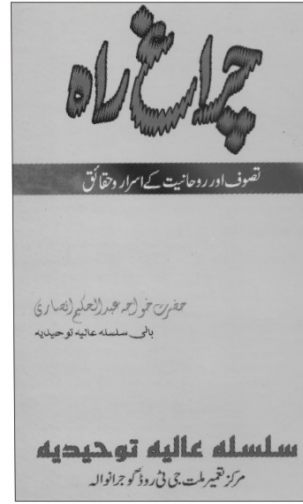
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
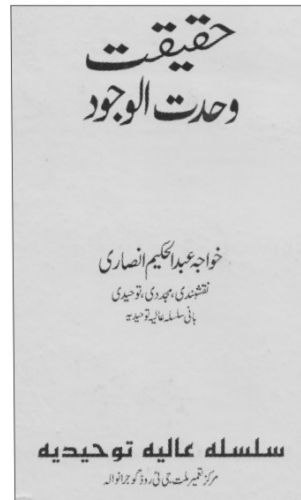
سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔
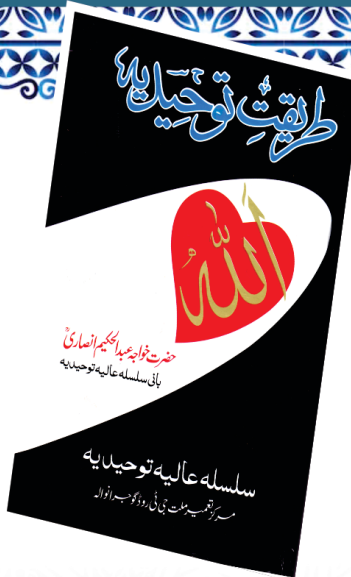
Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com